عقیدۂ حاضر وناظر پر معرکۃ الآرا کتاب
الشاہد
تصنیف
بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی
تقدیم و تخریج
محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
امام احمد رضا اکیڈمی

STUDY PERIOD
FROM 14/FEB/2014 to 25/FEB/2014
(@AFTER MAGRIB) (@MAGRIB)
RAINY DAY [Raining During ASAR]

عقیدۂ حاظر وناظر پر معرکتہ الآراء کتاب

الشاہد

تصنیف

بحرالعلوم حضرت علامہ **مفتی عبدالمنان** صاحب قبلہ اعظمی

علیہ الرحمۃ والرضوان

تقدیم وتخریج

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف

سلسلۂ اشاعت.............(۶۴)

نام کتاب..........................الشاہد

مؤلف.......................بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان

کمپوزنگ وسیٹنگ.................محمد نعیم نوری، محمد منیف رضا

اشاعت..............................بار سوم

سنہ..................................۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

بتعاون.......جماعت رضائے مصطفیٰ، حاجی علی ناتھا۔ بلیک برن (یو۔کے)

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف

E-mail.mohdhanif92@gmail.com

www.imamahmadrazaacademy.com

Mob: 8410236467

ملنے کے پتے

☆ کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

☆ المجمع الاسلامی، ملت نگر مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

☆ حق اکیڈمی، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

مختصر سوانح مصنف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذ گرامی وقار شیخ الاساتذہ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان چودھویں صدی کے آخر میں ایک عظیم استاذ، ماہر مفتی، مایۂ ناز خطیب، صاحب طرز انشاء پرداز، ناشر رضویات، مصلح قوم وملت اور معمار سنیت وغیرہ اوصاف کثیرہ کے حامل بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ اور پھر دنیائے سنیت میں آپ بحر العلوم کے لقب سے جانے پہچانے گئے۔ ۱۴۲۰ھ کے بعد سے بحر العلوم کی ذات تھی جو بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف جیسے با وزن القاب کی مصداق اور اسلاف کرام کی روایات کی امین تھی۔ افسوس کہ آپ بھی ۱۴۳۴ھ کے شروع ہوتے ہی دار فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال فرما گئے۔

نام ونسب:

آپ کا نام: عبدالمنان، والد کا نام: عبدالغنی، دادا کا نام: عبدالرحیم، اور پردادا کا نام: دوست محمد ہے۔

آپ کے القاب میں دولقب خاص طور پر مشہور ہوئے: بحر العلوم۔ شیخ الاساتذہ۔ اول الذکر کی شہرت زباں زد خاص وعام ہے۔

مولد ومسکن:

آپ کی ولادت ۷/ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ/ ۲۶/نومبر ۱۹۲۵ء کو ضلع اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ مبارک پور میں ہوئی۔ اور آخر عمر تک آپ کا یہی وطن رہا۔

وطن مبارک پور:

یہ قصبہ اپنے ضلع اعظم گڑھ سے شمال مشرق میں تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے،اوراب روڈ کی مسافت کے حساب سے پندرہ کلومیٹر ہے۔

اس قصبہ کا قدیمی نام ''قاسم آباد'' ہے۔جب اس بستی میں ویرانی کے آثار پیدا ہوئے تو چارسو چوراسی (۴۸۴) سال پہلے ۹۵۰ھ میں اس کوراجہ سید مبارک شاہ نے دوبارہ آباد کیا۔آپ خاندان سادات سے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سلسلہ چشتیہ حامدیہ کے بزرگ ہستی تھے،آپ کا وطن کٹرا مانک پور ضلع پرتاب گڑھ تھا،۲رشوال ۹۶۹ھ کو مانک پور میں آپ کا وصال ہوااور وہیں اپنے دادا راجا سید نور بن راجا سید حامد علیہما الرحمہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

قصبہ کا نام آپ ہی کے نام پر''مبارک پور'' ہوا،اورآپ ہی کی طرف منسوب یہاں ایک عظیم الشان جامع مسجد ہے جہاں عموماًپورے قصبہ کے لوگ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔

والد ماجد اور جد امجد:

بحر العلوم نے ایک دین دار گھرانہ میں آنکھ کھولی ،آپ کے دادا جناب عبد الرحیم صاحب علیہ الرحمہ صوم وصلاۃ کے پابند اور ذاکر وشاغل بزرگ تھے ،سلسلۂ عالیہ قادریہ میں صاحب کرامت بزرگ حضرت چمن شاہ صاحب گورکھپوری علیہ الرحمہ کے سجادہ نشین شاہ امان اللہ صاحب علیہ الرحمہ سے مرید اور صاحب اورادووظائف تھے۔متصلب سنی تھے،آپ کے زمانہ میں محلّہ کی مسجد میں مقامی امام دیو بندی تھا مگر کبھی اس دیو بندی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی ،ہمیشہ اپنی نماز مسجد میں تنہا ادا کرتے رہے۔۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

والد ماجد عبد الغنی صاحب علیہ الرحمہ اردو فارسی کے تعلیم یافتہ تھے،ذریعہ معاش کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ آپ کا مشغلہ تھا۔پچاسوں کتابیں ان کے مطالعہ میں تھیں اورضروری یاد داشتوں کے لیے انہوں نے اپنی ایک کاپی بھی بنارکھی تھی جس میں اہم باتوں کونوٹ کرتے رہتے تھے۔

حضرت بحر العلوم سوانح خودنوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

ان میں بھی مذہبیت اور دین داری کا غلبہ تھا۔صوم وصلوٰۃ کے پابند اوراد ووظائف کے عادی ،حرام وحلال کی سخت احتیاط رکھتے تھے ،کمزوروں اور ضرورت مندوں کی اعانت ان کا

محبوب مشغلہ تھا۔ تصلب فی الدین ان میں بھی بدرجۂ اتم موجود تھا، گجرات کے شہر سورت میں کافی زمانہ رہے، حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضور سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا آنا جانا بہت تھا، والد صاحب ان دونوں بزرگوں سے بہت متاثر اور ان کے معتقد تھے، ان کی کتابوں کے مجموعہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''حسام الحرمین'' کا گجراتی میں حامل متن ترجمہ اور ایک دوسری گجراتی کتاب بھی تھی۔

چونکہ شروع سے ہی انہیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا خیال تھا، اس لیے کتابوں کے مجموعہ میں بوستاں سعدی کا ایک اچھا نسخہ اور پنج گنج وزبدہ کا ایک نسخہ بھی تھا، جب ضرورت پڑی تو میں نے ان دونوں کتابوں کو پڑھا۔ رحمهم الله تعالیٰ وجزاهم خير الجزاء۔

(سوانح خودنوشت مشمولہ فتاویٰ بحرالعلوم ج ۱/ ۱۷)

تعلیم وتربیت:

اس سلسلہ میں بحرالعلوم نے یوں تحریر فرمایا:

۴۹ھ یا ۵۰ھ میں جب میری عمر پانچ یا چھ سال کی ہوئی، قاعدہ بغدادی لے کر میں اشرفیہ میں داخل ہوا، اور سولہ سترہ سال بعد ۱۳۶۶ھ میں درس نظامیہ کی تعلیم مکمل کر کے فراغت حاصل کی، اول وآخر ساری تعلیم اشرفیہ کی دین ہے۔ میرے داخلہ کے وقت مدرسہ کی ایک دو منزلہ نیم پختہ سفالہ پوش ذاتی عمارت محلہ پرانی بستی میں تھی جس کے پچھم رخ صدر دروازہ پر تار کول سے ''مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم'' لکھا تھا۔ اور ابھی میں پرائمری درجات میں ہی تھا کہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تشریف آوری مبارک پور میں ہوئی، اور انہی کی تحریک اور کوشش سے قصبہ کے مرکزی مقام گولہ بازار میں اس کی دو منزلہ وسیع وعریض عمارت تعمیر ہوئی، اور اس کے صدر دروازہ پر ''دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم'' کندہ ہوا جو بعد میں کثرت استعمال سے ''دارالعلوم اشرفیہ'' ہو گیا اور اس کا تاریخی نام ''باغ فردوس'' (۱۳۵۳ھ) تجویز ہوا۔ (سوانح خودنوشت فتاویٰ بحرالعلوم ج ۱ ص ۱۸)

اساتذۂ کرام:

آپ کے اساتذہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور، پرانی بستی مبارک پور

آپ سے قواعد بغدادی اور قرآن کریم کے ابتدائی پاروں کا درس لیا۔ آپ مبارک پور پرانی بستی کے باشندے تھے اور سلسلۂ اشرفیہ کے تاج دار حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید و خلیفہ۔

(۲) جناب حافظ عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ

آپ سے قرآن کریم ناظرہ مکمل کیا۔ آپ بھی مبارک پور محلّہ پورہ صوفی کے رہنے والے تھے۔

(۳) جناب منشی جواد علی خاں صاحب مرحوم

آپ سے پرائمری درجہ اول کی کتابیں پڑھیں، آپ بھی مبارک پور محلّہ پرانی بستی کے باشندے تھے۔

(۴) جناب منشی ممتاز احمد صاحب مرحوم

آپ نے پرائمری درجۂ دوم کا درس دیا، آپ محلّہ املو کے رہنے والے تھے۔

(۵) حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب گجہڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ نے فارسی کی تمام نصابی کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتابوں کا درس دیا۔ آپ گجہڑا ضلع اعظم گڑھ کے باشندے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، اس لیے ابتداء دیوبندی رہے، مگر آپ کے آباء و اجداد روحانی بزرگ گزرے ہیں، ان کے تصرفات سے دیوبندی مذہب چھوڑ کر متصلب سنی ہو گئے، اور مصباح العلوم میں درس دینا شروع کیا۔

(٦) حضرت مولانا ظفر علی صاحب نعمانی بلیاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ نے فصول اکبری کے چند اوراق کا درس دیا۔ آپ نے دارالعلوم اشرفیہ میں ہی درس نظامی کی تکمیل کی، پھر اشرفیہ ہی میں درس دینا شروع کیا۔ ۱۹۴۸ء میں کراچی پاکستان چلے گئے اور وہاں دارالعلوم امجدیہ قائم فرمایا، مدۃ العمر اس کے ناظم رہے اور ۲۰۰۳ء میں وہیں رحلت فرما گئے۔

(۷) حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب گھوسوی علیہ الرحمہ

آپ نے ہدایۃ النحو، شرح تہذیب اور تجوید کی متعدد کتابوں کا درس دیا۔ آپ نے درس نظامی کی تکمیل جامعہ سبحانیہ میں کی، ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم اشرفیہ آئے اور دورۂ حدیث کیا۔

فراغت کے بعد اشرفیہ میں ہی درس دینا شروع کیا۔اس کے بعد بہت سے مدارس کو اپنے علمی فیضان سے سیراب کیا۔۱۹۹۵ء میں انتقال ہوا۔

(۸) حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مئوی علیہ الرحمہ

آپ نے شرح وقایہ، کافیہ، شرح جامی بحث فعل، مقامات بدیع، مقامات حریری، مختصر المعانی، اصول الشاشی، حسامی، اور قطبی تصدیقات کا درس دیا۔آپ مئوناتھ بھنجن کے باشندہ تھے، مکمل تعلیم مئو کے مدرسہ اسلامیہ میں حاصل کی، ۱۹۳۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے، ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم اشرفیہ میں مدرس ہوکر آئے اور نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔آٹھ سال تک اشرفیہ میں رہے، اس کے بعد ملک کے دوسرے عظیم مدارس میں درس دیا، بریلی شریف مدرسہ مظہر اسلام میں دو مرتبہ تقرر ہوا، دوسری مرتبہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک، اسی درمیان مجھے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا جب میں کافیہ کی جماعت کا طالب علم تھا۔۱۵راگست ۱۹۹۰ء میں رات ۹ر بجے انتقال ہوا۔

(۹) رئیس المتکلمین حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی

آپ سے قطبی تصورات مع المیر، میرزاہد، ملا جلال، تشریح الافلاک، میبذی کا درس لیا۔اور فتویٰ نویسی سیکھی۔

آپ حافظ جی کے لقب سے مشہور تھے۔بھوج پور ضلع بلیا آپ کا وطن ہے، ۱۹۱۲ء میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ حنفیہ شاہی چبوترہ امروہہ ضلع مراد آباد میں داخل ہوئے۔پھر دارالعلوم اشرفیہ آئے اور آخر تک یہاں ہی رہے، ۱۹۴۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔جامعہ عربیہ ناگپور، پھر مظہر اسلام بریلی شریف میں رہے، حضور مفتی اعظم سے افتا کی مشق کی، اس کے بعد حافظ ملت نے حضور مفتی اعظم سے درخواست کی اور آپ کو اشرفیہ لے آئے، اور نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا، سارا نظم ونسق آپ سے متعلق کردیا۔"سنی دارالاشاعت" مبارک پور کا قیام آپ ہی نے فرمایا جس سے فتاویٰ رضویہ کی اشاعت ہوئی۔

(۱۰) حضرت علامہ محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری

آپ سے قطبی کے چند اوراق اور ہدیہ سعیدیہ پڑھی۔

آپ کی ولادت مانجھی پور ضلع بھاگلپور میں ۱۹۱۰ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ حضور محدث اعظم ہند کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی، پھر

جامعہ نعیمیہ مراد آباد صدر الافاضل کی خدمت میں، اس کے بعد اجمیر مقدس صدر الشریعہ سے پڑھا حضرت صدر الشریعہ اجمیر مقدس سے بریلی شریف منظر اسلام تشریف لائے تو آپ بھی ساتھ آئے، اور یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد، پھر ۱۹۳۷ء میں دار العلوم اشرفیہ آئے۔ ۱۹۷۷ء میں انتقال ہوا۔

(۱۱) حضرت علامہ عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی

آپ سے مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی اوراق، ہدایہ اولین اور میر زاہد رسالہ پڑھا۔

۱۳۳۳ھ میں محلہ کریم الدین پور گھوسی میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ میں داخلہ لیا۔ پھر صدر الشریعہ کے پاس منظر اسلام آئے، اور یہاں حجۃ الاسلام، صدر الشریعہ، مفتی اعظم ہند سے اکتساب فیض کیا۔ جب صدر الشریعہ مدرسہ حافظیہ دادوں ضلع علی گڑھ گئے تو آپ بھی ساتھ تھے، وہاں سے ہی ۱۳۵۶ھ میں فارغ ہوئے۔ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں اشرفیہ آئے اور دس سال تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دار العلوم شاہ عالم احمد آباد، مدرسہ منظر حق ٹانڈہ اور آخر میں براؤں شریف رہے۔ ۱۹۸۵ء میں انتقال ہوا۔

(۱۲) فاضل ازہر علامہ عبد المصطفیٰ رضوی ازہری شہزادۂ صدر الشریعہ

آپ سے ہدایہ اخیرین، طحاوی شریف، مسلم شریف، سبعہ معلقہ، دیوان متنبّی، حماسہ، مطول، بیضاری اور انشاء کی مشق کی۔

آپ کی ولادت بریلی شریف میں ۱۹۱۸ء میں ہوئی، سیدنا اعلیٰ حضرت نے آپ کا نام عبد المصطفیٰ رکھا۔ والد ماجد سے اجمیر مقدس میں مکمل تعلیم حاصل کی، منظر اسلام سے فارغ ہوئے، پھر جامع ازہر مصر تشریف لے گئے اور ۳ رسال تحصیل علم میں مصروف رہے۔ مدرسہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ سے درس کا آغاز کیا، ۱۹۴۴ء میں دار العلوم اشرفیہ آئے، تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے، وہاں جامعہ رضویہ منظر اسلام بھاگلپور، اس کے بعد دار العلوم امجدیہ کراچی میں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۸۹ء میں انتقال ہوا۔

(۱۳) حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی

آپ سے شرح جامی اسم، نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، جلالین شریف، مدارک شریف، مشکوٰۃ مکمل، ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس لیا

حافظ ملت کی ولادت ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء قصبہ بھوج پور ضلع مراد آباد میں ہوئی۔ قرآن

مجید کی تعلیم والد ماجد حضرت حافظ محمد غلام نور سے حاصل کی، جامعہ نعیمیہ میں چند سال تعلیم حاصل کر کے صدر الشریعہ کی خدمت میں اجمیر مقدس پہونچے، مکمل تعلیم وہیں حاصل کی، آخری سال میں بریلی شریف منظر اسلام صدر الشریعہ کے ساتھ آئے اور سند فراغ حاصل کی۔

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مبارک پور مصباح العلوم مدرسہ اشرفیہ بحیثیت صدر المدرسین تشریف لائے۔ یہاں گیارہ ماہ بعد دار العلوم اشرفیہ قائم کیا، ۱۹۷۲ء میں قصبہ سے باہر الجامعۃ الاشرفیہ قائم فرمایا۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔

ان حضرات کے علاوہ حضرت بحر العلوم کے دو استاذ اور ہیں جن سے آپ نے رمضان المبارک کی چھٹیوں میں فارسی کی کتابیں پڑھیں۔

(۱۴) حضرت مولانا نور محمد صاحب خطیب جامع مسجد مبارک شاہ، مبارک پور

(۱۵) حضرت مولانا محمد حاتم صاحب، محلّہ پورہ رانی، مبارک پور

امتحان وفراغت:

بخاری اور مسلم کی آخری حدیثیں آپ نے صدر الشریعہ سے پڑھیں، اس موقع پر صدر الشریعہ نے فرمایا: جس طرح ہمارے اساتذہ نے ہمیں کتب صحاح احادیث اور دیگر کتب حدیث کی روایت وتدریس کی اجازت دی، میں تم لوگوں کو بھی اجازت دیتا ہوں کہ احادیث کی روایت کرو، پڑھو اور پڑھاؤ۔

اس طرح آپ کے آخری استاذ حضرت صدر الشریعہ قرار پائے اور اساتذہ کی تعداد (۱۶) ہوئی۔

بخاری شریف کا امتحان محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف نے لیا۔ حضرت بحر العلوم امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے۔

آپ کے رفقائے درس کی تعداد حسب ذیل ہے۔

(۱) اشرف الاولیا حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی

(۲) حضرت مولانا مطیع الرسول صاحب گورکھپوری

(۳) حضرت مولانا مفتی عبد الرشید صاحب چھپراوی

(۴) حضرت مولانا قاری محمد یحیٰ صاحب مبارک پوری

(۵) حضرت مولانا عثمان صاحب حیدرآبادی
(۶) حضرت مولانا محمد ایوب صاحب جنید پوری
(۷) حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی
(۸) حضرت مولانا عرفان احمد صاحب کلکتوی
(۹) حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب بھاگلپوری
(۱۰) حضرت مولانا تاج الدین صاحب پنجابی
(۱۱) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب حیدرآبادی
(۱۲) حضرت مولانا طفیل الدین صاحب

یہ بارہ رفقائے درس ہیں اور تیرہویں بحرالعلوم، اس طرح کل تعداد ۱۳ ہوئی۔

یہ نام رجسٹر معائنہ اور محصلہ نمبروں کے اندراج رجسٹر سے ماخوذ ہیں۔

راقم الحروف کی معلومات میں اب فقط حضرت مفتی لطف اللہ صاحب مدظلہ العالی ہی موجود ہیں اور فی الحال شہر متھرا کے مفتی اور وہاں کی جامع مسجد کے خطیب وامام ہیں۔

درس وتدریس:

آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوراً ہی شوال میں گورکھپور کے مدرسہ ضیاء الاسلام میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ایک سال تک وہاں قیام فرمایا۔ اس زمانہ میں آپ نے وہاں سے ایک ماہنامہ ''الضیاء'' چارورقی شائع کرنا شروع کیا۔

بحرالعلوم خود فرماتے ہیں:

مدرسہ کے سکریٹری جناب حافظ نیاز احمد اشرفی مرحوم کے مشورہ سے ایک چارورقی رسالہ بنام ''الضیاء'' ہر ماہ شائع کرنا شروع کیا، مضامین عموماً فقیر کے ہی ہوتے تھے اور مصارف میں ہم دونوں شریک تھے، اشاعت اس کی مفت ہوتی تھی، اس میں شائع ہونے والے ایک طویل مضمون کو اس وقت بہت پسند کیا گیا، کئی پرچوں میں شائع ہوا، اور مبارک پور کی ایک دینی انجمن نے اسے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ عنوان اس کا ''اسلام کا چوتھارکن'' تھا۔

مدرسہ ضیاء الاسلام سے مستعفی ہو کر آپ نے مبارک پور اپنے گھر پہ ہی ایک سال گزارا۔ اس کے بعد تلسی پور ضلع گونڈہ مدرسہ انوار العلوم تشریف لے گئے۔

حضرت بحرالعلوم نے سوانح خودنوشت میں اس کی تفصیل یوں تحریر فرمائی:

سال بھر بعد وہاں سے علیحدہ ہو کر گھر رہا۔ شوال ۱۳۶۸ھ میں میرے ہم وطن اور رفیق مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم مبارک پوری کے مشورہ سے تلسی پوری ضلع گونڈہ کے مدرسہ اہل سنت انوار العلوم قائم کردہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن خاں صاحب بستوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ملازمت اختیار کی اور ساتھی ہونے کی وجہ سے مولانا محمد شفیع صاحب کی تنخواہ میں کچھ اضافہ کر کے برابری کردی گئی اور عہدہ میں بھی صدارت اور نیابت کی کوئی تفریق قائم نہیں کی گئی، جب میں وہاں گیا تو تعلیم صرف کافیہ تک تھی جس میں ترقی ہو کر معیار تعلیم مدارک شریف اور ملاحسن تک اونچا ہوا۔ مدرسہ کے تعمیری اور تبلیغی شعبوں میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا اور مدرسہ فی الحقیقت دارالعلوم ہو گیا۔ اس علاقہ میں پہلے سے ہی غیر مقلدین کا بڑا زور رہا تھا۔ ادارہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہب حق اہل سنت و جماعت کو بھی غیر معمولی فروغ ہوا۔ اس وقت وہاں تین مصباحی جمع ہو گئے تھے۔ (فقیر، مولانا محمد شفیع صاحب اور مولانا حافظ قاری رحمت اللہ صاحب ادروی) وقت بہت اچھا گذرا بلکہ وہ یادگار دن تھے۔

دارالعلوم اشرفیہ میں تقرری:

تلسی پور انوار العلوم میں آپ ۱۳۷۵ھ تک رہے۔ اس کے بعد آپ دارالعلوم اشرفیہ تشریف لائے، یہاں کی ذمہ داریوں اور مناصب کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے تفصیل سے لکھا۔ فرماتے ہیں:

تقریباً آٹھ نو سال کے بعد اشرفیہ میری واپسی بصورت تدریس ہوئی۔ ۱۳۷۵ھ میں مولانا غلام جیلانی صاحب گھوسوی کے اشرفیہ چھوڑنے کے بعد ان کی جگہ حضرت حافظ ملت اور دیگر احباب کے مشورہ سے درجۂ عالیہ کے سربراہ کی حیثیت سے میرا تقرر ہوا۔

دارالافتاء کا قیام اور آپ کے فتاویٰ: اشرفیہ میں فتویٰ نویسی کا شعبہ قائم ہوا اور پہلے مفتی آپ ہی قرار پائے اور اس منصب پر آپ اکیس سال فائز رہے۔ اس لیے کہ فتاویٰ بحرالعلوم میں درج فتاویٰ کے لحاظ سے پہلا فتویٰ آپ نے ۱۶؍ ربیع الآخر ۷۵ھ میں تحریر فرمایا۔ پھر آپ نے اشرفیہ میں ۱۳۹۶ھ تک مسلسل فتاویٰ تحریر فرمائے۔ ان میں سے اکثر فتاویٰ پر حضور حافظ ملت اور استاذ العلما حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب (عرف حافظ جی) علیہما الرحمہ کی تصدیقات ہیں۔

اس لیے کہ فتاویٰ کی تعداد جو فتاویٰ بحر العلوم میں درج ہیں (۱۳۴۹) ہے۔ ان میں سے (۷۸۴) فتاویٰ پر حافظ ملت اور حافظ جی دونوں حضرات کی تصدیق ہے اور (۶۱۰) فتاویٰ پر صرف حافظ جی کی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فتاویٰ تھے جن کو حضرت نے حذف فرمادیا، یا تو مکرر تھے یا پھر ان کو لائق اشاعت نہیں سمجھا۔ ایسے فتاویٰ بھی محتاط اندازہ کے مطابق ایک ہزار سے کم نہیں ہوں گے۔

۱۳۹۶ھ سے ۱۴۰۴ھ تک آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ میں فتویٰ نویسی نہیں فرمائی۔ بلکہ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

شمس العلوم گھوسی میں تقرر:

۱۴۰۴ھ میں آپ الجامعۃ الاشرفیہ سے سبک دوش ہوکر گھوسی تشریف لے گئے، یہاں شیخ الحدیث اور صدر شعبۂ افتاء کے منصب پر فائز ہوئے اور تاحین حیات یہ مناصب علیا آپ سے ہی متعلق رہے۔ آپ نے یہاں کثیر فتاویٰ تحریر فرمائے، فتاویٰ بحر العلوم میں درج فتاویٰ کی تعداد (۳۳۴۵) ہے جب کہ یہ ۱۳۲۶ھ تک کے فتاویٰ ہیں، اس کے بعد بھی سات سال تک فتاویٰ لکھے، مولانا زینی دحلان صاحب جو آپ کے پوتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک جلد کا اضافہ ضرور ہوگا۔ جب کہ چھ ضخیم جلدوں میں راقم الحروف نے ان تمام فتاویٰ کا مبیضہ کر کے فقہی ابواب پر مرتب کیا اور امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے شائع کر دیا ہے اور مارکیٹ میں عام طور پر دستیاب ہے۔

مشاہیر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے جو اس وقت ہندو پاک اور ان کے علاوہ دوسرے ممالک برطانیہ، امریکہ، افریقہ، ہالینڈ وغیرہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں بڑی تعداد ان حضرات کی بھی ہے جو آج اساطین اہل سنت وجماعت شمار کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں، خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی، مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی، شیخ المعقولات مفتی شبیر حسن رضوی،

مولانا اسرار احمد مصباحی، مولانا سید محمد جیلانی اشرف کچھوچھوی، مولانا نعیم اللہ خاں بستوی، مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی، مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی، مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی، مولانا یٰسین اختر مصباحی، نصیر ملت مولانا نصیر الدین مصباحی ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی، مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی، مولانا قمر الحسن قادری، سراج الفقہاء مفتی نظام الدین رضوی، مولانا ممتاز احمد اشرف القادری، مولانا انور علی مصباحی، مولانا بہاء المصطفیٰ امجدی، مولانا مفتی عبدالمنان کلیمی، مولانا محمد حسین ابوالحقانی مصباحی، مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، مولانا صغیر احمد جوکھن پوری، مولانا معین الحق علیمی، مولانا حبیب اللہ خاں مصباحی، مولانا رضوان احمد نوری شریفی مصباحی۔

آپ کے وہ قابل فخر تلامذہ جو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے:

شیخ القرآن علامہ عبداللہ خاں عزیزی، شیخ اعظم مولانا سید شاہ اظہار اشرف کچھوچھوی، شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا مشاہد رضا خاں صاحب پیلی بھیتی۔

فتاویٰ رضویہ کی اشاعت:

استاذ العلما حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی عرف حافظ جی نائب شیخ الحدیث اشرفیہ فراغت کے ایک سال بعد مظہر اسلام بریلی شریف میں درس وتدریس کے منصب پر فائز ہوئے، انہی ایام میں آپ نے حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کی مشق کی اور خوب فیضیاب ہوئے۔ حضور حافظ ملت ایک موقع پر خود بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضور مفتی اعظم سے عرض کیا: حافظ عبدالرؤف صاحب کو مجھے عنایت کر دیجئے، میرے یہاں ان کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت نے حافظ ملت کی دلی خواہش اور اشرفیہ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اجازت عنایت فرما دی۔

پھر کسی موقع پر حضور مفتی اعظم جب اشرفیہ تشریف لے گئے تو حضرت حافظ صاحب نے عرض کیا، حضور کیا فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کی کوئی سبیل نکلی، فرمایا: آپ لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہے، حضرت کا یہ جملہ حافظ جی کے دل میں ایسا جاگزیں ہوا کہ آپ بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت سے گزارش کی کہ فتاویٰ رضویہ کا مخطوطہ عنایت فرمادیں، ہم اس کی اشاعت کا پروگرام بنا چکے ہیں۔ حضرت نے تیسری جلد سے آٹھویں جلد تک کل چھ جلدوں کا مخطوطہ عنایت فرمایا

حضرت حافظ جی نے مبارک پور جا کر سنی دار الاشاعت کے نام سے ایک مستقل نشریاتی ادارہ اسی کام کے لیے قائم فرمایا اور تیسری اور چوتھی جلد اپنے اہتمام سے شائع فرمائی۔
پانچویں جلد حضرت حافظ جی کے اہتمام میں لکھنؤ پریس جا چکی تھی کہ اسی زمانہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ بہت سے کام اس جلد کے تعلق سے باقی تھے وہ حضرت بحر العلوم نے انجام دیے اور کتاب کی اشاعت عمل میں آئی۔
چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جلدیں حضرت بحر العلوم کی تحقیق وتقدیم اور آپ کے اہتمام سے شائع ہوئیں۔ حضرت حافظ جی اور حضرت بحر العلوم کی کاوشوں اور محنتوں سے یہ عظیم دینی سرمایہ چونتیس سال کی مدت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ حضرت بحر العلوم نے اپنی گو ناگوں مصروفیات کے ساتھ بیس سال کا زمانہ اس میں صرف فرمایا۔
یہ دونوں حضرات کا اتنا عظیم کارنامہ ہے جس کی اہمیت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے مشرف ہو رہے ہیں، آج ایک جہان فتاویٰ رضویہ سے استفادہ میں مشغول ہے اور اس کی مقبولیت کا آفتاب نصف النہار پر ہے، خدانا خواستہ یہ خزانہ اگر پردۂ خفا میں رہ جاتا، یا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی اکثر تصانیف کی طرح ضائع ہو جاتا تو یہ اہل سنت کا بڑا خسارہ اور نقصان تھا، بلاشبہ یہ ان دونوں حضرات کا ہم سب اہل سنت پر احسان عظیم ہے۔

تصانیف وتراجم:

آپ مسند تدریس کے بادشاہ تو تھے ہی ساتھ ہی ایک عظیم مصنف اور صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز بھی تھے۔ درجنوں کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ وترتیب کے تعلق سے علمی اور ادبی کارنامے انجام دیے۔ سیکڑوں مضامین ومقالات اور اصحاب تصنیف کے علمی جواہر پاروں پر تقاریظ بھی رقم فرمائیں۔ فتاویٰ بحر العلوم چھ جلدوں کے علاوہ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) محمد المثل الکامل عربی کا اردو ترجمہ
(۲) اعلیٰ حضرت کی عربی تصنیف شمائم العنبر کی تحقیق وتقدیم اور اردو ترجمہ
(۳) الشاہد۔ مسئلہ حاضر وناظر پر
(۴) ازالۂ اوہام
(۵) مضامین بحر العلوم

(۶) مسئلہ آمین کی تحقیق قرآن وحدیث کی روشنی میں

(۷) عیدین کی تکبیرات زوائد

(۸) حیات صدر الشریعہ

(۹) تذکرۂ دعا گو درویش بابا

(۱۰) انوکھی لڑائی (واقعہ کربلا سے متعلق)

(۱۱) مختار الاحادیث (مجموعہ احادیث مع اردو ترجمہ)

(۱۲) خطبات بحر العلوم

(۱۳) حیات صدر الافاضل

(۱۴) اسلام کا چوتھا رکن (ماہ نامہ الضیاء کے مضامین کا مجموعہ)

مندرجہ بالا تصانیف وتراجم میں اکثر مطبوعہ ہیں۔ اور ابھی بہت سی کتابیں نامکمل تھیں کہ آپ ہم سب سے رخصت ہوکر دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت بحر العلوم نے قلم وقرطاس کے ذوق کے آغاز اور تدریجی مراحل سے گزرنے اور پھر اس میں پختگی کے منازل سے ہم کنار ہونے پر اپنے انداز سے بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ سوانح خودنوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

بچپن سے ہی مجھے قصے اور کہانیوں کا بڑا شوق تھا۔ اسی لالچ میں میں اپنے بچپن میں بھی بڑوں بوڑھوں اور بزرگوں کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور ہم جولیوں کے ساتھ کم کھیلتا تھا۔ پڑھنے لکھنے کے بعد پتہ چلا کہ میرا یہ طرز عمل درست تھا، کیوں کہ ہم عمروں کا تو میری ہی طرح یہ حال تھا کہ ''او خویشتن گم است کرا رہبری کند'' وہ خود ہی بے خبر ہیں مجھے راستہ کیا بتائیں۔

جب کچھ پڑھنے لکھنے کی شد بد ہوئی تو اس شوق میں اور اضافہ ہوا، گھر میں جو والد صاحب کی کتابیں تھیں ان سے شوق پورا کرتا اور دوسروں کے ہاتھ میں کوئی کتاب دیکھتا تو اسے بھی دیکھنے لگتا۔

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مبارک پور آئے اور جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا، ان جلسوں میں عام طور سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نعتیں زیادہ پڑھی جاتی تھیں، ان میں کچھ ایسی دل آویزی تھی کہ ان پڑھ اور پڑھے لکھے، سمجھ دار اور نا

سمجھ سب کا سرحل جاتا تھا۔ انہی مئوخر الذکر لوگوں میں میں بھی تھا۔ کہ سمجھتا کم تھا مگر سننے میں مزہ آتا تھا۔ اتفاق سے حدائق بخشش کا ایک نسخہ میرے ایک ہم سبق کے پاس ملا جو اس کے دادا کا رکھا ہوا تھا، کاغذ اس کا معمولی سرخ اور پیلے اور ہرے رنگ کا تھا، لکھائی چھپائی عمدہ تھی، اور اس پر جگہ جگہ حاشیہ بھی چڑھا تھا۔ اس وقت اس کا معتد بہ حصہ میں نے نقل کر لیا تھا۔

جب فارسی پڑھ رہا تھا تو ایک صاحب نے مجھ سے اردو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، اگر چہ استاذ و شاگرد کی عمر میں بڑا تفاوت تھا، لیکن میں نے منظور کر لیا۔ اس کے والد تاریخی ناولوں کے بڑے دلدادہ تھے، جو کتاب بازار میں آتی اسے خرید لیتے، رات میں ایسے ہی شائقین کی نشست ان کے یہاں ہوتی، اور انہیں میں سے ایک خواندہ آدمی اس کو پڑھتا، اس لیے ان کے گھر اسلامی تاریخی ناولوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ ان صاحب کو تو اردو سیکھنے کی توفیق کم ہی ہوئی میں نے البتہ ان کی کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا، دوپہر کی چھٹی میں روزانہ ان کے گھر جاتا اور وہ کتابیں پڑھتا رہتا، عرصہ تک میرا یہ مشغلہ جاری رہا۔

درس نظامیہ کی تعلیم کے ابتدائی سالوں سے ہی میں اشرفیہ کے طلبہ کی لائبریری اشرفی دار المطالعہ کا لائبریرین رہا، اس کے نتیجہ میں مجھے پڑھنے کے لیے کتابوں کا وافر ذخیرہ ملا، اور موضوع میں بھی وسعت ہو گئی، ہر قسم کے رسائل اور کتابیں مطالعہ میں آئیں اور میں اس قابل ہو گیا کہ [illegible] میں آنے والوں کو ان کی مطلوبہ کتابوں کے مواد کی خوبی یا خرابی بتاتا، اور انہیں کتابوں کے انتخاب میں مدد دیتا۔

اس سے لاشعوری طور پر مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میرے ذہن میں الفاظ کا قابل ذکر ذخیرہ جمع ہو گیا، مختلف جملوں کی ترکیب، اسلوب بیان اور مافی الضمیر کی ادائے گی پر قدرت حاصل ہوئی جس کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ "نئے چراغ جلانے کے لیے پرانے چراغ سے اکتساب ضروری ہے"۔

گلستان سعدی پڑھنے کے زمانہ میں اس کا ایک باب نقل کیا کہ بعد میں توفیق ہوئی تو اس کا ترجمہ نقل کریں گے۔ نحو میر پڑھنے کے وقت پوری کتاب کا ترجمہ کیا، اور اسے والد کے پاس جو اس وقت سورت میں تھے بھیجا کہ اس وقت یہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔

دروس الادب پڑھنا ہوا تو اس کا کوئی فاضل نسخہ مدرسہ میں نہیں تھا، تو پوری کتاب نقل کر

کے پڑھی۔اس وقت وعظ اور تقریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ان ساری تفصیلات کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت ہمارے نصاب میں انشاء اور مضمون نگاری کا کوئی گھنٹہ نہ تھا بطور کورس یہ مضمون پڑھایا نہ جاتا تھا۔پس اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا سب لاشعوری طور پر بے قصد وارادہ ہوا،اور اسی سے میرے اندر تحریر کا شعور بیدار رہوا۔

غالباً ۱۳۶۲ھ میں جب میں جلالین شریف پڑھ رہا تھا،طلبہ کی لائبریری میں کئی اخبار آتے تھے،رامپور سے حضرت فضل حسن صابری مرحوم ومغفور کی ادارت میں دبدبۂ سکندری نام کا ایک ہفتہ وار اخبار شائع ہوتا تھا۔

رجب شریف کے موقع پر معراج شریف کے عنوان سے ایک مضمون اپنے مخلص دوست عالی جناب قاری محمد یحییٰ صاحب کے نام سے بھیجا اور دبدبۂ سکندری میں شائع ہو گیا۔ اشاعت سے قبل کسی سے اصلاح نہیں لی تھی۔مضمون چھپ کر آیا تو حضور حافظ ملت کو پڑھ کر سنایا ،آپ بے حد مسرور ہوئے اور ایک روپیہ انعام میں دیا،اسی دوران میرے کئی مضمون دبدبۂ سکندری میں شائع ہوئے،جس میں ایک مضمون کا عنوان ''کربلا کی ضرورت'' تھا جو کافی مقبول ہوا،اور بعد میں کئی اخبار ورسائل میں شائع ہوا۔

حضرت تاج الفحول مولانا ہدایت رسول لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولا دواحفاد میں مولانا محمد عمر صاحب علیہ الرحمہ تھے جو لکھنؤ سے ہی ایک دینی پرچہ شائع کرتے تھے،ان کے تقاضا پر ایک مضمون ''فلسفۂ شہادت'' لکھا جس کو انہوں نے ماہنامہ میں شائع کیا،اس سے لکھنو کے شیعہ پریس والوں نے محرم کے موقع پر اپنے مشن کی طرف سے شائع کیا،پھر دوتین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔الغرض ادارہ میں طلبہ،ان کی انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ،اور خود ادارہ کی تحریری ضرورتوں میں ہاتھ بٹاتا رہا اور تعلیم کے ساتھ ساتھ مشق سخن کا مشغلہ بھی جاری رہا۔

تلسی پور پہنچا تو وہاں ایک غیر مقلد مولوی عبد الرؤف جھنڈے نگری اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب بستوی مرحوم بانی دار العلوم انوار العلوم تلسی پور میں مسئلہ حاضر وناظر پر تحریری تبادلہ ہو رہا تھا۔جھنڈے نگری صاحب کی طرف سے ''رسالہ تردید حاضر وناظر'' شائع ہوا تھا۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اس کے جواب کی ذمہ داری میرے سر ڈالی۔فقیر نے ''الشاہد''

کے نام سے اس کا جواب لکھا جو اس وقت شائع ہوا جب میں مبارک پور آ گیا۔ اس رسالہ کی تردید بستی کے کسی رئیس آزاد صاحب نے ''ابطال شواہد الشاہد'' شائع کی۔

جب ''الشاہد'' کے دوسرے اڈیشن کی باری آئی تو لامحالہ دھیان ابطال کی طرف بھی ہوا۔ اس طرح اب وہ ایک مبسوط رسالہ ہو گیا جسے حق اکاڈمی مبارک پور نے شائع کیا۔

تلسی پور کے ہی دوران قیام خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی نے ممبئ سے پاسبان شائع کرنا چاہا اور کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو اس کے سب سے پہلے رسالہ میں فقیر کا مضمون ''حدیث شب'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ پھر عرصہ تک اس میں ماہ بماہ لکھتا اور مولانا مرحوم فقیر کا نام رفقائے ادارہ میں شائع کرتے رہے۔

مبارک پور آنے کے دوسرے ہی سال سے میری مصروفیات میں افتاء کا اضافہ ہوا، اس لیے اس زمانہ کی زیادہ تحریریں سوال جواب کے روپ میں ہیں۔ بدعت کے سلسلے میں ایک جواب جو ذرا طویل ہو گیا، مولوی محمد احمد صاحب مصباحی مرحوم نے رسالہ فیض الرسول براؤں شریف میں شائع کیا، اس کو مولانا مقبول صاحب الہٰ آبادی نے مکتبہ الحبیب الہٰ آباد سے رسالہ کی صورت میں شائع کرایا، اور اس کا یہ نام بھی انہوں نے ہی تجویز کیا کہ ''بدعت کیا ہے'' اسی طرح قبر کی اونچائی، اور مسجد میں نماز جنازہ پر بھی طویل تحریریں ہو گئیں جو فیض الرسول میں شائع ہوئیں۔

برجونالہ کلکتہ کے آس پاس ایک جاہل رٹائر پولیس مین گمراہی پھیلا رہا تھا ادھر عامۃ المسلمین میں بڑی شورش پھیل رہی تھی، برجونالہ کے رئیس جناب مقبول احمد انصاری نے اس کے بارے میں ایک استفتا کیا جس کے جواب میں ''ازالۂ اوہام'' کے نام سے ایک رسالہ تیار ہو گیا، جسے مبارک پور کی ایک اسلامی انجمن نے شائع کیا اور اس کی کئی سو کاپیاں شورش زدہ علاقہ میں تقسیم کی گئیں، اور جناب مقبول احمد صاحب نے بھی پوری جدوجہد کی جس کے نتیجہ میں وہ فتنہ بھی وہاں سے دفع ہوا۔ فالحمد للہ تعالیٰ۔

مبارک پور میں ایک بار پالن حقانی کا گزر ہوا۔ اور اس نے ندائے یا رسول اللہ کے موضوع پر ایک نہایت دل آزار تقریر کی جس سے طبقۂ اہل سنت وجماعت میں بڑی بے چینی پھیلی۔ محلّہ سریاں کے سنیوں نے اس کے خلاف جلسہ کیا جس میں بڑا کثیر مجمع ہوا۔ بیان کا موضو

ع ”ندائے یارسول اللہ“ ہی تھا جس سے طبقۂ اہل سنت وجماعت کی ساری بے چینی دور ہوگئی اور دیوبندی مولوی صاحبان کو یہ معذرت کرنی پڑی کہ ہمارے علما نے بھی نعرۂ یارسول اللہ کو مطلقاً حرام نہیں کہا ہے۔اس تقریر کو عزیزی مولوی محمد احمد صاحب مصباحی مرحوم نے قلم بند کر کے شائع کردیا،

پھر پاکستان کے کچھ احباب نے بھی اسے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ ”انوار الانتباہ“ کے ساتھ شائع کیا۔جسے دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ ”بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است“

یعنی

لفظ بلبل کے لیے اتنی ہی بڑی بات ہے کہ گل کا قافیہ ہے۔

۱۹۷۴ء میں سفر حج کے دوران احادیث نبویہ کا ایک منتخب مجموعہ ساتھ تھا، اس مبارک سفر میں اس کا ترجمہ مکمل کیا، مجموعہ میں حدیثیں حروف تہجی کی ترتیب سے مذکور تھیں، خیال ہوا کہ اسے فقہی ابواب کی ترتیب پر کردیا جائے لیکن اب تک اس کی توفیق نہ ہوسکی۔

سیرۃ النبی پر ایک مفید کتاب ”محمد المثل الکامل“ کے نام سے نظر سے گذری، بہت پسند آئی، اس کا ترجمہ شروع کیا جس کی چند قسطیں ”ہدیٰ“ ڈائجسٹ میں شائع بھی ہوئیں، مزید کے لیے فرصت کا انتظار ہے جب کہ فرصت عنقا ہے اور بقول شعرا اس کا شکار مشکل ہے۔

ع عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان رسالہ پاسبان میں ہر ماہ مستقل طور پر حدیث شریف کا کالم تحریر فرماتے تھے، مستقل عنوان ”صراط مستقیم“ ہوتا، عام طور سے اس مضمون کے لیے آپ کوئی خاص تیاری نہیں کرتے۔مضمون کا تقاضہ ہوا اور دوڈھائی صفحہ کا مضمون لکھ کر بھیج دیا۔ایک آدھ بار غالباً اسی کے لیے اشعۃ اللمعات ملاحظہ کرتے دیکھا، آپ کے یہ قلم برداشتہ مضامین بھی مفاہیم عالیہ کا گنجینہ اور زبان وبیان کا نمونہ ہیں۔حضرت نظامی قدس سرہ نے ان کو کتابی صورت میں اپنے مکتبۂ پاسبان سے شائع کرنا چاہا اور اس کے مقدمہ کے لیے مجھے لکھا، اس مقدمہ میں حدیث شریف کی اسنادی حیثیت سے بحث کی گئی ہے اور حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا ہے، پورا مضمون حضرت کی نظر ثانی کا نور پاچکا ہے اور بالکلیہ

آپ کا مصدقہ ہے، سوانحی خاکہ میں صرف ایک جگہ ایک لفظ کا استدراک ہے جس کو میرے لڑکے محمد احمد مصباحی مرحوم نے اپنی کتاب ''حافظ ملت'' میں ذکر کیا۔

حضرت مولانا مشتاق احمد علیہ الرحمہ نے کتاب کے ابتدائیہ میں لکھا تھا: میں نے چاہا تو یہ تھا کہ مقدمہ میں خود لکھوں لیکن میری مصروفیتیں آڑے آئیں، پھر بھی مجھے خوشی ہے کہ یہ سعادت مفتی عبدالمنان صاحب کے حصہ میں آئی، یہ بھی خوب ہوا کہ گھر کی دولت گھر ہی میں رہی۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت کے حالات میں یہ سب سے پہلی تحریر ہے، اور (نقش ہے سنگ آستاں پہ ترے۔ داستاں اپنی جبہ سائی کی)

اشرفیہ کی نشاۃ ثانیہ کی پوری تاریخ کا میں عینی شاہد ہوں، بلکہ اس میں شریک وسہیم رہا ہوں، اور میں نے اس کو اپنے طور پر قلم بند بھی کیا تھا۔ جس دور میں عالی جناب قاری محمد یحییٰ صاحب مرحوم ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر تھے انہوں نے اس کی کئی قسطیں ''اشرفیہ مصباح العلوم سے الجامعۃ الاشرفیہ تک'' کے نام سے شائع کی تھیں۔ ان کے وقت میں ہی یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا، ورنہ وہ ایک دلچسپ سرگزشت کاروان علم کی ہوتی۔

ہدایہ اخیرین پڑھنے کے زمانے میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات لکھنے کے لیے رمضان شریف کی چھٹیوں میں گھوسی گیا۔ میرے شفیق وکریم استاذ گرامی حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سفارش سے حضرت نے حالات املا کرانا منظور بھی کرلیا اور لگ بھگ دس یوم تک وقت کی انتہائی پابندی کے ساتھ حضرت نے قیام اجمیر شریف تک کے حالات قلم بند کرائے بھی، اس کے بعد فرمایا: میں اب اعتکاف میں بیٹھوں گا اوراس کے بعد حالات دوسرے بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں، ان سے واقعات کی تکمیل کرالینا، میں نے خط کے ذریعہ ان لوگوں سے کام نکالنا چاہا، لیکن کچھ نہ ہوسکا، تو آپ کے مشہور تلامذہ کے پاس ہفتوں رہ کر خود ان حضرات کے حالات بھی لکھے اور اسی سبیل سے جستہ جستہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے حالات بھی جمع ہو گئے۔

گویا لخت دل جمع کیے کتنے تو دیوان کیا

اس کا کام عرصہ سے مکمل ہے، خدا توفیق دے تو اپنے ہاتھ سے اسے شائع کرنے کی

نیت ہے۔ میرے بڑے لڑکے محمد احمد مصباحی مرحوم کو تحریر اور اس کی اشاعت کا ذوق ورثہ میں ملا تھا، رات دن لکھنا پڑے تو تھکتے نہیں تھے۔ خود اپنی کاوش سے فقیر کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا، دوسرے حصہ کے معتد بہ مقدار کی کتابت کرالی تھی۔ تیسرا مجموعہ میری تقریروں کا بھی لکھوار ہے تھے، لیکن سب چھوڑ چھاڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ غفر اللہ ورحم علیہ۔ افسوس! آب قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

جب سے گھوسی میں قیام ہے میری زیادہ تر توجہ فتاویٰ رضویہ کی طرف ہے، پھر بھی ایک رسالہ ''مسلۂ آمین، قرآن وحدیث کی روشنی میں'' مولوی شکیب ارسلاں سلمہ ربہ کی سعی سے مطبوع ہو چکا ہے۔ دوسرا رسالہ عیدین کی تکبیرات زوائد'' کے موضوع پر مبیضہ کے مراحل سے گزر چکا ہے۔

فتاویٰ رضویہ شریف کی چھ جلدیں سنی دارالاشاعت مبارک پور سے شائع ہوئی ہیں، جن میں تیسرا اور چوتھا حصہ حبر الامۃ حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب بانی سنی دارالا شاعت کی حیات میں شائع ہوا۔ اور چار جلدیں فقیر کی کاوش اور سعی سے مرتب ومطبوع ہو کر قوم کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ نویں جلد جو دسویں کے نام سے بریلی شریف یا پیلی بھیت سے شائع ہوئی ہے اس کی ترتیب وتہذیب اور تکمیل کا کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی باقاعدہ اشاعت کے دن جلد لائے، آمین۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ قلمی رسالے جواب تک نایاب تھے اب دستیاب ہو گئے ہیں۔ ان میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم باب الجمعہ کا ایک عربی رسالہ ''شمائم العنبر'' جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم کا ایک شاہکار ہے۔ اس کا ترجمہ وتصحیح بھی مکمل ہے۔ مبیضہ بھی تیار ہے۔ عمر نے وفا کی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو ان سب کو منصۂ شہود پر لانے کا عزم ہے۔

السعی منی والاتمام من اللہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(سوانح خودنوشت مشمولہ فتاویٰ بحر العلوم/۲۲ تا ۲۷)

راقم الحروف نے آپ کی دو کتابیں مسئلہ آمین اور تکبیرات عیدین کی تحقیق کو فتاویٰ بحر العلوم کے متعلقہ ابواب میں شامل کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا عربی رسالہ شمائم العنبر حضرت بحر العلوم کے ترجمہ وتقدیم کے ساتھ طبع

ہوکر اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

وعظ وخطابت:

صاحب قلم وقرطاس ہونے کے ساتھ آپ ایک فصیح اللسان خطیب اور بلیغ البیان واعظ بھی تھے، ہندوستان کے چوٹی کے خطباو مقررین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ کل ہند پیمانے پر آپ کی تقریروں کی ایک زمانہ تک دھوم رہی۔

آپ کی تقریروں کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر طبقہ میں مقبول رہتی۔ خالص علمی ماحول کے مناسب بھی تقریر فرماتے اور خوب داد وتحسین وصول کرتے، اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے مجمع میں عام فہم انداز میں تقریر ہوتی۔

موضوع کا انتخاب خواہ خود کرتے یا اہل جلسہ کا دیا ہوا پہلے سے کوئی عنوان ہوتا بہر صورت عنوان کی رعایت کرتے ہوئے گھنٹوں تقریر فرماتے اور بیان اتنا دل نشیں ہوتا کہ بعض تقریریں برسوں یادرہتیں۔ مجمع مختصر ہوتا یا عظیم اجلاس، انداز بیان یکساں رہتا، پچاس افراد پر مشتمل جلسہ ہوتا، یا ہزاروں اشخاص پر مشتمل عظیم الشان کانفرنس، آپ کے زور بیان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

شعر وسخن میں مہارت:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ مدرس تھے، مصنف تھے، مفتی تھے، اور واعظ وخطیب تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ مذکورہ جملہ اوصاف کے ساتھ ایک صاحب طرز انشا پرداز بھی تھے، جس طرح آپ ایک عظیم نثر نگار تھے اسی طرح شعر وسخن میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

مہتاب پیامی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

حضرت بحر العلوم کی شاعری کا طریقہ بھی نرالا تھا۔ آپ کاغذ قلم سامنے رکھ کر کم ہی شعر کہا کرتے، حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو کہتے وہ ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ ہوتا، نور الحسن صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے حضرت سے نعت لکھنے کی فرمائش کی، چند روز بعد جب نعت لینے کے لیے شمس العلوم گھوسی گئے اور حضرت سے ملاقات کی تو آپ نے مسکرا کر کہا ہاں نعت کہی ہے۔ پھر ایک طالب علم کو بلا کر کہا: کہ میری دراز میں ایک نعت شریف رکھی ہے وہ لے آؤ۔ وہ طالب علم کافی دیر بعد آیا اور کہا کہ وہاں تو کوئی نعت نہیں ہے۔ تب بحر العلوم نے اس سے

دریافت کیا کہ میں تم کو بتانا بھول گیا تھا، وہاں کوئی ایسا کاغذ رکھا ہے جس پر نمبر لکھے ہوئے ہیں؟ اس نے کہا، ہاں، ایسا ایک کاغذ وہاں نظر تو آیا تھا۔ کہا: وہی لے آؤ۔ طالب علم وہ کاغذ لایا تو نورالحسن صاحب کا بیان ہے کہ اس کاغذ پر شعر کے بجائے صرف مختلف اعداد لکھے ہوئے تھے، بحرالعلوم اعداد دیکھتے اور شعر لکھتے جاتے۔ پانچ منٹ میں پورا کلام آپ نے تحریر کردیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ راقم الحروف کے ساتھ بھی ماضی میں پیش آچکا تھا، اس لیے نورالحسن صاحب کے بیان پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ اعداد شاید اشعار کے اشارے ہوتے تھے، آپ یادداشت کے لیے نوٹ کرلیتے تھے، پھر بعد میں ان اشاروں کی مدد سے پورا کلام تحریر کرلیا کرتے تھے۔ (مضمون بعنوان ''تھے وہ سخن آشنا'' مشمولہ بحرالعلوم نمبر)

آپ نے نعت ومناقب میں طبع آزمائی فرمائی، آپ عابد تخلص فرماتے تھے، نعت کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے:

سر محشر شفاعت مصطفیٰ کی میرے کام آئی
نہیں تو کرچکا تھا میں تو کل ساماں ہلاکت کا

دم آخر نبی کے سنگ در پر ہو جو سر اپنا
مزہ آجائے عابد زندگی بھر کی عبادت کا

دوسری نعت کا مطلع و مقطع اس طرح ہے:

دل اپنی طلب سے بھی کچھ لے کے سوا اٹھا
وہ دست سخا ان کا جب بہر عطا اٹھا

عابد کی شفاعت کو نبیوں کی جماعت سے
ہے کون جو محشر میں آقا کے سوا اٹھا

مارہرہ مقدسہ کی مدح میں یوں رقم طراز ہیں:

فروغ چشم بصیرت غبار مارہرہ سکون قلب وجگر نوک خار مارہرہ

آپ نے اولیائے کرام اور علمائے ذوی الاحترام کی شان میں منقبتیں بھی تحریر فرمائیں:

صدرالشریعہ کی منقبت میں فرماتے ہیں:

یہ ہے بزم صدر شریعت جو آیا منصور ہوا
جو ان سے ٹکرائے گا یہ جانو چکنا چور ہوا

قاضی، مفتی، مرد مجاہد، سب ان کے درباری ہیں
سب پہ عنایت یکساں ہوگی مالک یا مزدور ہوا

صدر العلما محدث میرٹھی کی شان میں لکھتے ہیں:

وہ صدر تھے وہ شاہ تھے بلند پایہ گاہ تھے فراز چرخ فضل پر وہ فخر مہر و ماہ تھے
وہ اپنے فقر و زہد میں علی کی جلوہ گاہ تھے وہ اپنے دم سے علم و فن کی جنت نگاہ تھے
خدا کی قدرتوں کے ایک معتبر گواہ تھے

مجاہد ملت کی شان میں تحریر فرمایا:

یہ بھی سچ ہے رگ باطل کے لیے خار تھا وہ صف شکن، شیر فگن، حیدر کرار تھا وہ

مظہر مفتی اعظم علامہ تحسین رضا خاں صاحب کے وصال پر ملال پر اپنا قلبی تأثر یوں پیش کیا:

یہ آج دہر میں کس کی وفات کا غم ہے فسردہ چہرے ہیں چشم حیات پرنم ہے
شہید ہو کے ہوئے آپ زندۂ جاوید شہید کے لیے نوحہ ہے اور نہ ماتم ہے

راقم الحروف نے بہیڑی ضلع بریلی شریف سے ماہنامہ "رضائے مصطفیٰ" شائع کیا تو اس کے پہلے شمارہ کے لیے حضرت بحر العلوم نے قوم کو جو منظوم پیغام دیا اس کے بعض اشعار یہ ہیں:

للہ الحمد فضل رب کا ہوا علم و حکمت کا ایک باب کھلا
یعنی احقر کے خلص احباب اہل دین، اہل علم، اہل کتاب
شائع کرتے ہیں سعی باہم سے ایک شہری صحیفۂ نایاب
مصطفیٰ کی رضا، رضائے خدا نعرۂ لا الہ الا اللہ
پھر سے تاریخ دیں زندہ ہو روح دین مبیں زندہ ہو
این دعا از من از ملک آمین نحن محتاج انت نعم معین

علالت اور انتقال:

کمزوری اور علالت پہلے ہی سے تھی، اسی درمیان آپ کی اہلیہ محترمہ ہماری امی صاحبہ مرحومہ کا ۸ر نومبر بروز جمعرات ۳ر بجے انتقال ہوگیا، دوسرے دن شام کو راقم الحروف نے

حضرت کو تعزیتی فون کیا تو مجھے پہچان کر کہا: اچھا اچھا، میں نے تعزیت پیش کی اور حضرت نے کراہتے ہوئے دو تین جملے فرمائے، بس وہ آخری آواز تھی جو میں نے سنی۔ اللہ تعالیٰ ہماری امی صاحبہ مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اس کے ایک ہفتہ بعد آپ کی طبیعت زیادہ علیل ہوگئی تو اعظم گڑھ ہاسپٹل میں داخل کیا گیا، بارہ دن ایڈمٹ رہے، ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ/ ۲۹ر نومبر ۲۰۱۲ء جمعرات کا دن گذار کر شب جمعہ میں ۹ ر بج کر ۱۳ر منٹ پر آپ کا انتقال ہوگیا۔ افسوس کہ علم وفضل کا وہ آفتاب جس نے تقریباً ستر سال تک علم وعرفان کی کرنوں سے امت مسلمہ کے قلوب کو منور ومجلی فرمایا وہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ حضرت بحر العلوم کا انتقال پوری ملت کا نقصان ہے اور ان کا اس دنیا سے رخصت ہونا ایک عہد کا خاتمہ ہے، اس عہد کا خاتمہ جس نے اہل سنت کو علم وحکمت کی بیش بہا دولتوں سے نوازا، بالخصوص رضویات کی اشاعت جوان کی حیات مقدسہ کا حاصل اور نچوڑ ہے۔

اللہ رب العزت جل جلالہ ان کے مرقد پر انوار وتجلیات کی بارش فرمائے اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کے لیے ہم سب اہل سنت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

اولاد واحفاد:

آپ صاحب اہل وعیال تھے، آپ کا عقد ۹ ر رجب المرجب ۱۳۶۵ھ میں اکیس سال کی عمر میں قصبہ مبارک پور محلہ پرانی بستی کے ایک خوشحال اور دین دار گھرانے میں شیخ عبد الغفور صاحب کی دختر نیک اختر صابرہ خاتون سے ہوا۔

آپ کے یہاں پانچ صاحبزادے ہوئے۔ مولانا محمد احمد مصباحی (مرحوم)، محمد سلمان اشرف، مولانا شکیب ارسلان، محمد افسر فیروز، محمد ظہیر الحسن۔

صاحب زادیاں چار ہیں: زرینہ خاتون، ام ایمن۔ غزالہ خاتون۔ نور الصباح۔

بڑے صاحب زادے حضرت مولانا محمد احمد مصباحی کی چھ اولادیں ہیں۔

تین صاحب زادے: سعید الحسنین برکاتی۔ مظہر السادات۔ مولانا محمد زینی دحلان۔

تین صاحب زادیاں: ماریہ صبوحی۔ طیبہ زینب۔ ام الوریٰ

محمد سلمان اشرف صاحب کی بارہ اولادیں ہیں: آٹھ صاحب زادے:
ابوسفیان۔محمد ریحان۔محمد عدنان۔مولانا محمد حسان۔محمد عمران۔حافظ محمد فیضان۔محمد عفان۔حافظ محمد صدام۔
چار صاحب زادیاں: شمع پروین۔ہما پروین۔صبا پروین۔فرحانہ
مولانا شکیب ارسلاں صاحب کی پانچ اولادیں ہیں: تین صاحب زادے:
صہیب رومی۔محمد حبیب۔صبیح الحق۔
دو صاحب زادیاں: شبانہ رومی۔فرح ناز
محمد افسر فیروز صاحب کی سات اولادیں ہیں: تین صاحب زادے:
افروز عالم۔بدر عالم۔نور عالم
چار صاحب زادیاں: عمرانہ خاتون۔فرزانہ خاتون۔سلطانہ خاتون۔رخسانہ خاتون۔
ظہیر الحسن صاحب کی سات اولادیں ہیں: تین صاحب زادے:
محمد آصف حسن۔عبدالواسع۔عبدالخیر۔
چار صاحب زادیاں: قرۃ العین۔راحت القلوب۔نسرین فاطمہ۔نساء طیبہ۔
انہی سب افراد خاندان کے بارے میں حضرت بحر العلوم علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے: ہمارا بھرا پڑا خاندان ہے۔ ما شاء اللہ تعالیٰ.

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مرحوم ومغفور:

آپ سب سے بڑے صاحب زادے تھے، ۱۱رمئی ۱۹۹۳ء بروز منگل اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

آپ کا اصل نام محمد، اور عرفی نام عبدالسبحان تھا، مگر آپ نے اپنے آپ کو محمد احمد مصباحی کے نام سے مشہور کیا، یہ سب سے پہلے فاضل اشرفیہ ہیں جنھوں نے اپنے نام کے ساتھ ''مصباحی'' لکھنے کا التزام کیا۔

تعلیم کے بعد مدرسہ گلشن بغداد رانچی میں ملازمت اختیار کی، یہاں پیر طریقت حضرت مولانا سید عبدالحق صاحب مرحوم ومغفور کی تحریروں کی اشاعت کے لیے اشاعتی ادارہ ''حق اکیڈمی'' قائم کیا، اور ان کی جمع وترتیب کے بعد ان کو شائع کیا۔ اپنی بھی تین کتابیں شائع کیں، (۱) تذکرۃ النعمان (۲) تذکرۂ امام احمد رضا (۳) رانچی میں یوم رضا۔

وہاں سے شہر گیا کے ایک مدرسہ میں چلے گئے، وہاں بھی تحریر واشاعت کا مشغلہ رہا اور ایک ماہنامہ بھی جاری کیا۔ پھر وہاں سے بھی جلد چلے آئے۔

یہاں کے بعد ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کی دعوت پر ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' کی ادارت کے لیے پہونچے اور ایک سال رہے۔ اس کے بعد ماہنامہ ''المیزان'' ممبئی کی ادارت کے لیے حضرت مولانا محمد جیلانی محامد ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں دو سال رہے، ان کے زمانہ میں المیزان کا معیار بلند ہوا، امام احمد رضا نمبر کی اشاعت انہی کے زمانہ میں ہوئی، یہ نمبر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کے سلسلہ میں سنگ میل ثابت ہوا، اس نمبر کی تیاری میں آپ نے اپنی ساری توانیاں صرف کردی تھیں، مدیر اعلیٰ سید جیلانی میاں اداریے میں لکھتے ہیں:

اس نمبر کی حسن تدوین کے تمام محاسن محب محترم مولانا محمد احمد مصباحی کو بخشتا ہوں۔

یہاں سے مولانا محمد حنیف صاحب قادری مصباحی ان کو ماہنامہ فیض الرسول کی ادارت کے لیے براؤں شریف لے گئے اور اس کا مدیر اعلیٰ بنا دیا، یہاں آپ کئی سال رہے، اس کے علمی معیار اور مذہبی کردار کو ترقی دی۔

انہوں نے اپنے تجربہ سے جان لیا تھا کہ ملازمت کی آمدنی سے گھر کی کفالت نہیں ہوسکتی، لہذا گورکھپور میں انہوں نے بنائی کے کچھ کارخانے لگائے اور کاروبار میں انہیں کچھ فائدہ بھی ہوا، لہذا اب وہ مستقل گورکھپور میں ہی رہنے لگے، چند سال کے بعد گورکھپور کا ہینڈلوم کاروبار کساد بازای کا شکار ہوگیا، لہذا آپ اپنے بال بچوں کے ساتھ مبارک پور چلے آئے۔ وہاں کاروباری مشغولیت زیادہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے کا مشغلہ موقوف رہا۔ مگر مبارک پور آکر پڑھنے لکھنے کے شوق میں نئی تحریک پیدا ہوئی۔ لہذا حضرت بحر العلوم کی تحریک پر آپ نے اولیائے احناف۔ تذکرۂ حسن۔ اور حافظ ملت، نامی کتابیں مرتب کیں۔ اول الذکر کتاب غیر مطبوعہ ہے

ان کے بعد آپ نے مضامین بحر العلوم کے نام سے چند مجموعے مرتب کیے تھے، ان میں سے پہلا حصہ منظر عام پر آیا اور اس کے رسم اجرا کے سلسلہ میں آپ نے ایک بڑا جلسہ عام بھی کیا تھا۔ باقی مجموعے منتظر طباعت ہیں۔

آپ نے بحر العلوم کی تقریریں بھی نقل کرنا شروع کی تھیں، مگر ان کے انتقال سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب ان کے صاحب زادے حضرت مولانا زینی دحلان استاذ شمس العلوم گھوسی

نے پہلا حصہ مرتب کر کے خطبات بحر العلوم کے نام سے شائع کر دیا ہے:

حضرت بحر العلوم فرماتے ہیں:

میرے فتاویٰ کی تعداد بھی خاص ہو گئی تھی، اس کا مبیضہ کرنا چاہتے تھے، مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی ان کے نہ رہنے سے خود میرا بڑا علمی نقصان ہوا۔ مگر کوئی کیا کر سکتا ہے:

فرشتہ کہ وکیل ست بر خزائن باد
چہ غم کند کہ بمیرد چراغ پیرزنے

جو فرشتہ ہوا چلانے پر مقرر ہے اسے اس کا کیا غم کہ بڑھیا کا چراغ بجھ جائے گا۔

بحمدہٖ تعالیٰ راقم الحروف نے حضرت بحر العلوم کی یہ آرزو پوری کر دی اور تمام فتاویٰ کو مرتب کر کے اکیڈمی سے شائع بھی کر دیا۔ اس کو دیکھ کر حضرت نہایت مسرور ہوئے۔ اور دعاؤں سے نوازا جن کا میں ہمیشہ طالب رہا۔

ان شاء المولیٰ تعالیٰ آپ کی غیر مطبوعہ کتب بھی جلد منظر عام پر آئیں گی، خاص طور پر فتاویٰ بحر العلوم کی ساتویں جلد منظر عام پر آئے گی جس کے بارے میں نبیرۂ بحر العلوم حضرت مولانا زینی دحلان صاحب فرمائش کر چکے ہیں۔

آپ کے صاحب زادوں میں حضرت مولانا شکیب ارسلاں صاحب الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ التحصیل ہیں اور صاحب علم و فضل، حضرت بحر العلوم کے آپ ہی علمی وارث اور جانشین ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام افراد خاندان کو سلامت رکھے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم.

کچھ ''الشاہد'' کے بارے میں

زیر مطالعہ کتاب حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ کی نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے، آپ نے اس کتاب میں دلائل نقلیہ وعقلیہ کی روشنی میں کتاب کے عنوان یعنی ''مسئلہ حاضر وناظر'' کو آسان انداز میں سمجھایا ہے اور منکرین کے اعتراضات کے دنداں شکن جواب دیے ہیں۔

یہ کتاب سب سے پہلے ۶۰ ہجری میں طبع ہوئی، اس کے بعد حضرت مصنف نے کچھ اضافے کیے، لہذا ان اضافوں کے ساتھ ۲۷ رسال بعد دسمبر ۱۹۸۷ء میں حق اکیڈمی مبارکپور سے شائع ہوئی۔ اور اب ۲۶ رسال بعد امام احمد رضا اکیڈمی سے شائع ہورہی ہے یعنی ۵۷ رسال میں اس کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے۔ جب کہ یہ علمی ذخیرہ بار بار شائع ہونا چاہیے تھا۔ اب انشاء المولیٰ تعالیٰ مسلسل اشاعت ہوگی تاکہ لوگ اس سے فیض یاب ہوتے رہیں۔

اس سے پہلی طباعت کے لحاظ سے ہمارا یہ نسخہ متعدد خصوصیات رکھتا ہے۔ جو اس طرح ہیں:

(۱) پوری کتاب کمپوز کرا کے اس کی تین مرتبہ پروف ریڈنگ کی گئی ہے اور صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

(۲) آیات اور عربی عبارات کی تخریج کے ساتھ آیات پر اعراب کا خاص خیال رکھا ہے، اور احادیث وتفاسیر کے ساتھ دوسری کتابوں کی عربی عبارتوں کو اصل کتابوں سے ملا کر بہت سے مقامات پر اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔

(۳) کچھ جدید سرخیاں قائم کر کے کتاب کے مضامین کو حسین ترتیب سے مزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ قارئین کی دل جمعی کا سامان فراہم ہوسکے۔

(۴) کتاب میں فہرست نہیں تھی، لہذا اس کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، اور جملہ عنوانات کی فہرست بنادی گئی ہے۔

(۵) مصنف کے حالات آپ ملاحظہ فرما چکے، مزید کتاب کے مضامین کا تعارف اور اس کی تصنیف کا پس منظر خود مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب کے شروع میں مختصراً بیان کردیا ہے، راقم الحروف چاہتا ہے کہ اجمالی انداز میں کتاب کے مندرجات قارئین کے سامنے پیش کردیے جائیں تاکہ کتاب کے مضامین ومفاہیم سمجھنے میں مزید آسانی فراہم ہوسکے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ غیر مقلدین کی طرف سے ان کے مولویوں نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے حاضر وناظر ہونے کا انکار کرتے ہوئے دو کتابیں لکھیں، مولوی عبدالقیوم رحمانی غیر مقلد نے ''خیر الامم'' اور مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری نے ''جوابات حاضر وناظر''۔

ان دونوں کتابوں کے مکر وفریب سے محفوظ رکھنے کے لیے مبلغ اسلام وسنیت حضرت علامہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام آپ نے ''خیر الانبیا'' رکھا، اور اس کتاب میں آپ نے غیر مقلدین کے دجل وفریب کو طشت از بام کیا۔

یہ کتاب گویا خرمن وہابیت پر بجلی بن کر گری اور جھنڈے نگری غیر مقلد اپنی دروغ بیانی اور افترا پردازی کا جھنڈا لے کر میدان کارزار میں دوبارہ کود پڑے اور ''تردید حاضر وناظر'' کے نام سے ایک کتاب لکھ ماری۔

اس سے پہلے کہ مبلغ اسلام کی طرف سے کوئی جواب آتا اسی زمانہ میں بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آپ کے قائم کردہ ادارہ انوار العلوم تلسی پور میں بحیثیت استاذ تقرر ہوا۔ لہذا مبلغ اسلام نے اس کا جواب لکھنے کے لیے حضرت بحر العلوم سے فرمائش کی اور آپ نے ''الشاہد'' کے نام سے ایک مسکت جواب تحریر فرمایا۔

اس کی تفصیل حضرت بحر العلوم نے کتاب کے شروع میں تحریر فرمادی ہے۔ ''الشاہد'' کی تکمیل کے بعد اس کی اشاعت ۶۰ء میں ہوئی۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری تو اس میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے، مگر انہوں نے سوچا کہ اس طرح تو بدنامی کا داغ لگارہ جائے گا، لہذا کسی نوخیز مولوی کو اس میدان میں اتارا اور انہوں جو کچھ اناپ شناپ بکا، اس کا نظارہ بھی قارئین اندروں صفحات ملاحظہ کریں گے۔ یہ ہیں مولوی محمد رئیس ندوی، اور انہوں نے جو کتاب لکھی اس کا نام ہے ''ابطال شواہد الشاہد''۔

یہ کتاب جیسی بھی کچھ تھی اس کی تفصیل خود بحر العلوم نے جو بیان کی ہے وہ یہ ہے:

مولانا الاعز محمد حنیف صاحب براؤنی زید مجدہم کی جدوجہد سے ۱۹۶۰ء میں یہ کتاب (الشاہد) شائع ہوسکی، چھ سال بعد ۱۹۶۶ء میں اس کا جواب ''ابطال شواہد الشاہد'' نظر سے گزرا، پورے شوق اور انتہائی بے تابی سے پوری کتاب پڑھ ڈالی۔ مؤلف کوئی نوخیز عالم ہیں۔ کتاب ہاتھ میں لی تھی تو شوق تھا کہ بحث کے کچھ نئے گوشے سامنے آئے ہوں گے، اور جواب میں لکھنے

کے لیے کچھ میدان اور وسیع ہوا ہوگا، لیکن کتاب پڑھ کر طبیعت سخت بدمزہ ہوئی۔ اور خیال گزرا کہ فاضل رحمانی نے شاید یہ سوچ کر خود جواب کی زحمت نہیں اٹھائی کہ اصل مسئلہ سمجھانے کے لیے طرفین سے اب تک جو کچھ کہا جاچکا ہے وہی کافی ہے، اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ اور جواب کے نام سے کچھ نہ کچھ ہونا ہی ہے تو اس کے لیے یہ صاحب زادے ہی کافی ہیں، جنہیں آگے پیچھے کی بھی سدھ بدھ نہیں، یہی بے باکی سے اناپ شناپ بک سکیں گے۔

چنانچہ اس کتاب کے جواب لکھنے کا داعیہ بالکل ختم ہوگیا، لیکن اس موضوع پر کچھ میٹرس میرے پاس جمع تھے، اس لیے بالکل نئے سرے سے اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر ایک تحقیقی کتاب سوال وجواب کے نقطۂ نظر سے ہٹ کر لکھنا شروع کیا، ابتدا کے پندرہ بیس صفحے لکھ بھی لیے، پھر جو دوسرے کاموں کا ہجوم ہوا تو یہ اوراق بھی زینت طاق نسیاں ہوگئے۔

ادھر ''الشاہد'' کے مطبوعہ نسخے ختم ہوگئے، تو مکتبۃ الحبیب الہ آباد والوں نے بطور خود اس کتاب کی دوبارہ کتابت کرالی اور شائع کرنے کا اعلان کیا جس کو کئی سال ہوگئے، اس طرح اس کتاب کے ساتھ الہ آباد میں بھی ایک بار پھر وہی سلوک ہوا جو ابتدا میں تلشی پور میں ہو چکا تھا۔

اب پھر مختلف حلقوں سے اس کی اشاعت کا تقاضا ہوا، اس لیے دوسرے ایڈیشن کی خاطر اسے پریس میں دینا پڑا، اور یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس نئی کتاب کے بارے میں بھی کچھ صفحات ملحق کردیے جائیں جس سے ناظرین اندازہ لگاسکیں کہ یہ نئی کتاب ایک نو آموز کی شوخیوں سے کچھ زائد نہیں۔ [ص ۱۷]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''الشاہد'' کے دوسرے ایڈیشن ۱۹۸۷ء کے بعد سے اب میدان خالی ہے، منکرین خاموش ہیں اور ''الشاہد'' نے شاہد عادل پیش کرکے اس علمی وفکری مقدمہ کو جیت لیا ہے اور حق وصداقت کی فتح کا پرچم لہرا کر جھنڈے نگر کے جھنڈے کو سرنگوں کردیا ہے۔

کتاب کے مندرجات:

الشاہد کا باقاعدہ آغاز حضرت بحر العلوم نے اس طرح کیا ہے کہ پہلے غیر مقلدین کے دجل وفریب کو نہایت مہذب انداز میں پیش کرتے ہوئے غیر مقلدین کی غلط فہمی سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہابی غیر مقلد یا تو خود غلط فہمی کا شکار ہیں، یا پھر بالقصد لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور یوں

لکھتے اور کہتے ہیں کہ مسئلہ حاضر و ناظر کے اثبات کے لیے دلیل قطعی درکار ہے۔

حضرت بحر العلوم نے پہلے چند اصول بیان فرما کر اس فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے، آپ نے جو بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''مسئلہ حاضر و ناظر'' توحید و رسالت کی طرح کوئی قطعی اسلامی عقیدہ نہیں، لہٰذا اس کا منکر کافر بھی نہیں۔ اور جب قطعی اجماعی نہیں تو پھر اگر دلائل ظنی بھی ہوں تو اس کا اثبات درست قرار دیا جائے گا۔ بلکہ یہ مسئلہ باب فضائل و مناقب سے ہے جس میں دلیل ظنی بھی کافی۔ اب اگر وہابی غیر مقلدین کسی ایسی دلیل کو جو اہل سنت کے یہاں معتبر ہے اس میں کوئی دوسرا احتمال بھی نکال لیں تو بھی استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر حاضر و ناظر کے معنی بیان کیے ہیں، اور اس کے بعد آپ نے ان دلائل کو ذکر فرمایا ہے جو عقیدۂ علم غیب کے سلسلہ میں اہل سنت کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں، اور واضح کر دیا ہے کہ مسئلہ حاضر و ناظر کوئی علاحدہ چیز نہیں بلکہ یہ بھی ثبوت علم غیب کے ضمن میں خود ہی ثابت ہو جانے والا ایک مسئلہ ہے۔

آگے چل کر علم غیب اور حاضر و ناظر پر جھنڈے نگری کے ان اعتراضات و مزخرفات کا جواب ہے جو انہوں نے اپنی خردماغی سے پیش کیے ہیں، کہ کہیں لکھا: اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں تو روضۂ انور خالی رہ جائے گا، اور آپ وہاں آرام کے بجائے دنیا کے دورہ میں رہ کر تنگی اور مشکل میں مبتلا ہوں گے۔ اور سب جگہ جاتے اور پھر آتے ہیں تو زندہ درگور ہیں۔ معاذ اللہ۔

اسی طرح جھنڈے نگری نے قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ یہ عقیدہ بریلوی مولویوں کا نکالا ہوا ہے، اسلام و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت بحر العلوم نے متقدمین علمائے کرام کی عبارتوں سے واضح کر دیا ہے کہ یہ مسئلہ کوئی آج کا نیا نہیں بلکہ کتابیں اٹھا کر دیکھو سیکڑوں سال سے علما کیا لکھتے آئے ہیں۔

جھنڈے نگری نے ایک بحث یہ اٹھائی ہے کہ رسول و فرشتہ کو نکاح کے وقت اگر گواہ بنایا جائے تو یہ کفر ہوگا جیسا کہ احناف فقہا بھی لکھ رہے ہیں۔

بحر العلوم نے فرمایا ہے کہ احناف کی کتابیں سمجھنے کے لیے پہلے ان کے اصول سیکھو پھر حرف زنی کرنا، ہمارے فقہا نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب رسول و فرشتہ کے لیے علم غیب ذاتی مان کر ہو۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

پھر ایک بحث جھنڈے نگری نے یہ چھیڑ دی ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر خدائے تعالیٰ ہے، اور اس جیسا کوئی نہیں، تو پھر کسی بھی دوسرے کا حاضر و ناظر ہونا شرک۔

حضرت بحرالعلوم نے فرمایا: اگر دلائل کا یہی حال ہے تو پھر سمیع و بصیر بھی کوئی نہ ہو، (یعنی جھنڈے نگری بھی بہرے اور اندھے)

لفظی اشتراک سے اگر شرک ثابت ہونے لگے تو پھر کون بچے، دراصل یہاں بہت وجوہ سے فرق ہے اور ہم اس کے قائل، حضور کا حاضر و ناظر ہونا، عطائی، حادث، متناہی۔ خداوند قدوس کا سمیع و بصیر ہونا ذاتی، قدیم، غیر متناہی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد لفظ شہادت بمعنی گواہ پر بحث ہے اور اس کے اثبات میں دلائل کا سیل رواں ہے، پھر حضور کا میدان قیامت میں شاہد و گواہ ہونا۔ رحمت عالم ہونا۔ قیامت تک کی خبر دینا، اسی طرح کے دوسرے مباحث معرض بحث میں آئے ہیں۔ ساتھ ہی جھنڈے نگری کی اس بکواس کا بھی رد ہے جو اس نے دریدہ ذہنی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھی تھی کہ حضور نے جو فرمایا تھا کہ جو پوچھو بتاؤں گا یہ محض ایک خاص وقت کے لیے تھا پھر بدستور وہی حال ہوا جو پہلے تھا۔

حضرت بحرالعلوم نے اس ہذیان کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے، کہ جھنڈے نگری جتنی دیر پڑھیں، بولیں اور بیان کریں بس علم اسی وقت تک، باقی پہلے اور بعد میں علم سے کورے اور نرے جاہل۔

بحث میں وہابیہ کی طرف سے ہمیشہ وہ آیتیں اور حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو نفی علم اور نفی فضیلت پر دلالت کریں، ان تمام نصوص سے یہ لوگ آنکھیں موند لیتے ہیں جو ان کے مقابل علوم غیب اور فضائل پر دلالت کرتی ہیں، جھنڈے نگری نے بھی ایسا ہی کیا تھا، بحرالعلوم نے اس کے دلائل شرح و بسط سے بیان فرما کر ارشاد فرمایا: کہ دونوں میں تطبیق کی راہ نہایت آسان ہے کہ نفی علم کلی کی ہے اور ثبوت بعض کا۔ اہل سنت کا ہمیشہ یہی درمیانی طریقہ رہا ہے، ایسا نہیں کہ بعض پر ایمان لاؤ اور بعض کو ترک کر کے یہود و نصاریٰ کا شیوہ اپناؤ۔

جھنڈے نگری کی ہفوات و خرافات کے بعد ان کے چھوکرے مولوی رئیس ندوی کی خبر گیری میں کتاب کا دوسرا جز ہے جو اس طرح شروع ہوا ہے کہ:

ندوی صاحب نے صحابۂ کرام کے اختلافات کو سامنے لا کر مسئلہ کو غیر معتبر ٹھہرانے کی

ناکام کوشش کی ہے۔

حضرت بحر العلوم نے ان کی جامہ تلاشی اس طرح لی ہے کہ آپ کے بڑوں کے یہاں تو قرآن وحدیث کے بغیر نوالہ نہیں توڑا جاتا پھر یہ اقوال صحابہ آپ کا وظیفہ کب سے ہو گئے۔

اور اگر اختلافات صحابہ ہی سے مذہب متعین ہونے لگے تو پھر آپ کے لیے پر پیچ گھاٹیاں ہیں جن کو عبور کرنا جوئے شیر لانا ہے۔

ندوی چھوکرے کو جب حاضر وناظر نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ملی تو جگہ جگہ معارضوں سے کام چلا کر جواب لکھنے کی سعی بے جا کی ہے۔ لہذا ایک جگہ لکھا کہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونے سے تو لازم آئے گا کہ آپ ایسی محافل میں بھی جاتے ہیں جو غیر شرعی ہیں۔

حضرت بحر العلوم نے تنبیہ فرماتے ہوئے لکھا کہ ہم نے بارہا حاضر وناظر کا مطلب بیان کیا اور واضح انداز میں بتادیا ہے کہ اس کے لیے ہر جگہ حضور جسمی شرط نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ موقف ہے۔ تردید کرنے والے کو پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمارے مدمقابل کا دعویٰ اور نظریہ کیا ہے، اس کے بغیر رد وابطال ہوا میں تیر اندازی بلکہ دھویں میں لاٹھی گھمانا ہے۔

اسی طرح یہ بحث کہ آیات، احادیث اور واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ حضور کو نہ اپنا حال معلوم تھا اور نہ امت کا کہ کل قیامت میں کیا ہوگا۔ اور نہ دنیا کے احوال آپ کے پیش نظر تھے ورنہ حضرت عائشہ کا ہار گم ہوا اور دوسرے جزئی واقعات، لہذا نہ آپ حاضر اور نہ ناظر۔

حضرت بحر العلوم نے اس مقام پر فرمایا کہ اس طرح کے جزئی واقعات اطلاع وخبر سے پہلے کے ہیں، اور ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور کا علم یوماً فیوماً ترقی پر رہا اور نزول قرآن کے مکمل ہونے پر پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ پھر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی وہ عبارت نقل فرمائی جس میں وہابیہ کو چیلنج ہے کہ:

ہاں ہاں تمام نجدیہ: دہلوی وگنگوہی، جنگلی وکوہی سب کو ہی دعوت عام ہے، ''اجمعوا شرکاء کم'' چھوٹے بڑے سب اکھٹے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ، یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں، جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد اشیائے مذکورہ ''ماکان ومایکون'' سے فلاں امر حضور پر مخفی رہا، جس کا علم حضور کو نہ دیا گیا (فان لم تفعلوا فاعلموا أن الله لا يهدي كيد الخائنين) [انباء المصطفیٰ]

غرض کہ ندوی چھوکرے نے اس طرح کی بہت سی بحثیں چھیڑی ہیں جن کو علمائے اہل

سنت اپنی کتابوں میں بلکہ خود حضرت بحر العلوم نے جھنڈے نگری کے ردوابطال میں لکھ کر واضح کردی تھیں۔

علوم خمسہ کی نفی میں جو آیت پیش کی جاتی ہے ندوی چھوکرے نے وہ بھی پیش کردی ہے اور اس پر اپنا خوب زور لگایا ہے۔ حضرت بحر العلوم نے بھی تفصیل سے اس مقام پر سمجھایا ہے، حدیث وتفسیر کی کثیر تعداد میں کتابوں کی عبارات اور ان کی وضاحت اور پوشیدہ نکات کی نشان دہی کچھ اس انداز سے کی ہے کہ مخالف کے لیے مجال دم زدن نہیں۔ بخاری، مسلم، مشکاۃ، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، اشعۃ اللمعات۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر امام رازی، تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، اس کی شرح اکلیل، تفسیر خازن، تفسیر جلالین، تفسیر صاوی، وغیرہا کتب احادیث وتفاسیر سے آپ نے مسئلہ کو پوری طرح واضح کردیا ہے۔

ندوی چھوکرے نے پھر یہ بحث ٹھونسی ہے کہ حضور کو شعر کا علم نہیں تھا۔ بہت سے رسولوں کے نہ تو نام اور نہ ان کے احوال معلوم تھے، ایسے ہی جنت کی نعمتوں اور روح کی حقیقت سے بھی آپ بے خبر تھے۔

حضرت بحر العلوم نے نمبروار سب کے تفصیلی جواب دے کر وہابیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔

علم شعر کے بارے میں تفصیل سے سمجھایا ہے کہ علم کا مطلب بسا اوقات ملکہ بھی ہوتا ہے، یعنی کسی بھی چیز کی محض معرفت نہیں بلکہ اس میں انہماک وعمل اور مہارت، دوسرے الفاظ میں کہو کہ شعر گوئی اور منظوم کلام کی پرکٹس نہیں، وجہ اسی آیت میں بتادی گئی ہے کہ یہ چیز منصب رسالت کے لائق نہیں۔ پھر اس عدم علم میں کون سی خرابی اور کیا عیب ہوا۔ بہت سے رسولوں کے بارے میں علم نہ ہونا پہلے کی بات ہے، بعد اطلاع سب کے بارے میں علم ہوگیا، لہذا اب چودہ سو سال بعد اسی پہلی حالت پر نظر رکھنا کون سا دین ودیانت ہے۔

اور جنت کی نعمتوں سے لاعلمی کے دعوی کو تو حضرت بحر العلوم نے ایسا خاک میں ملایا ہے کہ ندوی چھوکرے کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ہوگا۔ جنت کی بہاروں اور نعمتوں کی تفصیلات حضور نبی کریم ﷺ کی زبان فیض ترجمان کے ذریعہ قرآن وحدیث کی زبان میں جو ہم تک پہونچی ہیں وہ بے حد وبے شمار ہیں۔

پھر آپ نے تیس سے زیادہ آیتوں سے جنت کی نعمتوں اور بہاروں کی تفصیلات پیش

کی ہیں۔

روح کے علم کی نفی سے متعلق بھی ندوی کی قلابازیاں قابل تماشا ہیں، کبھی تو اہل حدیث بننے کے شوق میں وہ جوش جنوں کہ حدیث مرفوع اور وہ بھی صحیحین بخاری و مسلم بلکہ بخاری ہی کی چاہیے، اور اب یہاں آیت کی تفسیر و وضاحت میں کوئی حدیث بلکہ کوئی اثر صحابی بھی نہ ملا تو اب اتنے نیچے اتر آئے کہ کل تک تصوف وصوفیہ پر سب وشتم کا دروازہ کھلا تھا اور دونوں کو قرآن وحدیث کا دشمن اور نالائق اعتبار قرار دیا جارہا تھا، اب جناب والا کہہ رہے ہیں کہ فلاں فلاں مشائخ کرام یعنی جنید بغدادی وشہاب الدین سہروردی کہہ گئے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں۔

حضرت بحر العلوم نے فرمایا: اگر صوفیہ کی باتوں پر اب یقین جمنے لگا تو لیجیے جناب! امام غزالی اور شیخ محقق کی عبارتیں، وہ صاف فرمارہے ہیں کہ ایسا گمان نہ کرنا کہ حضور کو روح کا علم نہیں تھا۔

اور اے غیر مقلدو! جب تم دعویٰ اہل حدیث رکھتے ہو تو شیخ محقق کی بات تو مان ہی لو، ان کو تو صوفیت زدہ کہہ کر رد نہ کرو۔ وہ صاف فرماتے ہیں کہ آیت خود اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو روح کا علم تھا، اور کیسے نہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنی ذات وصفات کا علم ان کو بخشا تو یہ روح کا علم تو اس کے سامنے ایک قطرہ ہے۔

پھر ندوی چھوکرے کو جب دار الندوہ کا خمار چڑھا تو وہ دلائل وبراہین جو علم غیب اور حاضر وناظر کے اثبات میں پیش کئے جاتے ہیں ان کو اپنے پاگل پن سے الٹا سمجھ کر نفی کے ثبوت میں لے آیا، تو حضرت بحر العلوم نے اس پر تبصرہ کر کے یہ شعر سنادیا:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آگے چل کر وہی باتیں کہ ندوی چھوکرے بے چارے کو اہل سنت کا مذہب ومسلک معلوم نہیں اور رد وابطال کا شوق چڑھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کھودا پہاڑ نکلی چوہیا۔ ساری محنت رائگاں گئی۔ اہل سنت کا مذہب نہ باطل قرار پانا تھا اور نہ ہوا۔ ایسی جہالت انسان کے لیے وبال بن جاتی ہے جو خلاف واقع چیز پر اذعان سے پیدا ہو۔ اس کو جہل مرکب کہتے ہیں، کہ واقع میں ہوتا کچھ ہے اور آدمی کچھ اور سمجھ بیٹھتا ہے، یہ لاعلاج مرض ہے، سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا:

جہل بھی بری بلا ہے، خصوصاً مرکب کہ لا دوا ہے۔

اس کے بعد ندوی چھوکرے نے اہل سنت کے دلائل پر بے جا تنقیدات کے ذریعہ اپنی علمی حیثیت جتائی ہے، حالاں کہ یہ ایسی جہالتیں ہیں کہ ان کے بڑے بھی ان سے بے زار ہوں گے، اور اس نوخیز و ناتجربہ کار کو میدان میں اتار کر کف افسوس ملتے ہوں گے۔

کہیں اعتراضات کے خمار میں کتر بیونت کر کے عبارتوں میں تحریف، جیسے بیضاوی اور ہدایہ کی عبارتوں میں کیا۔ کہیں ارشاد فرمایا: شاہد کے معنی حاضر کہنا متروک، جب کہ بحر العلوم نے قرآن میں ایسے تیس مقامات کی نشان دہی کی جہاں یہی معنی ہیں، اس طرح کے کیا کیا گل کھلائے ان کی گرفت میں آپ نے فرمایا:

رئیس صاحب!

آپ نے ادھوری عبارت کو پوری کہا، یہ جھوٹ ہوا۔

بیچ میں سے عبارت کے دو جملے چھپا لیے یہ چوری ہوئی۔ خود کتر ''بیونت'' کی اور ہم پر الزام لگایا یہ افترا پردازی ہوئی۔

ذرا بھی ڈر نہ ہوا کہ کوئی شخص بیضاوی سے آپ کی نقل کردہ عبارت کا تقابل بھی کر سکتا ہے، یہ وقاحت ہوئی۔

خود ہی ظلم و تعدی کی اور ہمارے خلاف ناظرین کو دہائی دی یہ ظلم ہوا۔

آپ اپنے داغوں کو کہاں چھپائیں گے۔ [ص ۲۵۱]

آخر کار ان تمام غیر مقلدوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اس فضیلت عظمیٰ کی رسول اللہ ﷺ سے نفی ہو جائے۔ اور یہی نہیں ہر جگہ ان پڑھے لکھے جاہلوں کو اگر کام ہے تو صرف اس بات سے کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے فضائل و کمالات میں کتر بیونت کرنے اور کم سے کم کرنے کی کوشش کی جائے، خواہ وہ فضیلت کسی اور کے لیے ماننا پڑے حتی کہ ان کا شیوہ تو یہ ہے کہ یہ شیطان کے لیے بھی ایسی وسعت علم کے قائل ہیں کہ اس وسعت کو اگر حضور اقدس ﷺ کے لیے مانا جائے تو شرک قرار پائے۔ معاذ اللہ۔ یہ وہ مسلمان کہلانے والے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو سچا پکا توحید پرست گردانتے ہیں، اور پھر کتابوں میں حضور سید عالم ﷺ کی تنقیص تلاش کرنے میں اپنی عمریں برباد کر کے نہایت خوش ہیں۔ حالاں کہ اس سے بڑی محرومی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر قوم اپنے قائد و پیشوا کے فضائل و محاسن اور اس کی خوبیاں شمار کرنے کی کوشش

میں شب وروز صرف کرتی ہے۔ البتہ وہابیہ گروہ ضرور اس فکر میں ہے کہ اس کے گمان فاسد میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد ومناقب کے خلاف جہاں بھی جو ملے اس کو طشت از بام کرنے میں اپنی ساری طاقت خرچ کر ڈالے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت ان کی مثال یوں بیان فرماتے ہیں:

اپنی اغراض فاسدہ کے لیے اس (وہابی) کی کتاب بینی کی مثال بالکل سوئر اور سیر باغ کی ہوتی ہے، پھول مہکیں، کلیاں چٹکیں، تختے لہکیں، فوارے چھلکیں، بلبلیں چہکیں، اسے کسی لطف وسرور سے کام نہیں، وہ اس تلاش میں پھرتا ہے کہ کہیں نجاست پڑی ہو تو نوش جان کرے، بعینہ یہی حالت گمراہ بددین کی ہوتی ہے، ہزار ورق کی کتاب میں لاکھ باتیں نفیس وجلیل فوائد کی ہوں ان سے اسے بحث نہ ہوگی، کتاب بھر میں اگر کوئی غلط وباطل وخطا جملہ اپنے مطلب کا سمجھے گا اسی کو پکڑ لے گا اگر چہ واقع میں وہ اس کے مطلب کا بھی نہ ہو، اتنی بات اس میں خنزیر سے بھی بڑھ کر ہوئی کہ وہ نجاست لے گا تو اپنے مطلب کی اور اسے اس کی بھی تمیز نہیں۔

[فتاویٰ رضویہ جدید: ۱۵/۴۶۷]

حضرت بحر العلوم اس مقام پر فرماتے ہیں کہ رئیس صاحب آپ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اس فضیلت عظمیٰ (یعنی میدان قیامت میں امم سابقہ کے سلسلہ میں شہادت) کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی ہو جائے اگر چہ جبرئیل امین کے لیے اس کا ثبوت ماننا پڑے، مگر آپ کی محنت ضائع گئی، کیا کیجیے گا۔ وحشت میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا　　جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

ندوی چھوکرے نے اسی طرح کی قلابازیاں آخر تک کھائی ہیں اور حضرت بحر العلوم نے ہر زاویہ سے خوب خبر لی ہے۔

پھر متفرقات کے عنوان سے کتاب کے چند آخری مباحث ہیں جن میں وہابیہ کی رسوائے زمانہ کتابیں "کتاب التوحید۔ تقویۃ الایمان" کی حقیقت۔ وہابیت وسلفیت اور غیر مقلدیت کا تعارف۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت ونقوش کا علم تھا۔ حضور نبی الانبیا ہیں اور سب سے پہلے آپ کو یہ منصب ملا۔ دیدار الٰہی۔ برزخی زندگی کے احوال وکوائف۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا۔ معجزہ وقتی یا دائمی۔ ان تمام چیزوں کے تعلق سے حضرت بحر العلوم نے بحث کو آخری منزل تک پہونچا کر سلفیت وغیر مقلدیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

الشاہد کا پس منظر

گورکھپور سے گونڈہ جانے والی لوپ لائن کے آس پاس، شرقاً وغرباً پوری لائن پر اور عرض میں ہمالہ کے دامن تک انسانی آبادی کی جو ایک لمبی پٹی چلی گئی ہے، اس میں جگہ جگہ مسلم آبادیوں کی خاصی تعداد پائی جاتی ہے اور ان میں متعدد آبادیاں ایسی ہیں جن میں غیر مقلدین کی اکثریت ہے اور دنیاوی اقتدار بھی انہیں کو حاصل ہے۔

پورے ہندوستان میں یہ فرقہ جہاں بھی آباد ہے اپنے کٹرپن اور بے جا مذہبی تعصب کے لیے خاصا نیک نام ہے۔ ترائی کے اس علاقہ میں بھی یہ طائفہ اپنے اسی قومی امتیاز کا حامل ہے۔ اور آج سے لگ بھگ ۲۵ رتیس سال قبل تو اس علاقہ میں ان کی چیرہ دستیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ سنی مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک بالکل اچھوتوں جیسا تھا۔ انہیں مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں، ان کے ساتھ دعوتوں میں کھانا کھانے کے لیے آمادہ نہیں، اور ان کے گلاس میں پانی پینے کے روادار نہیں۔ اور سنی مسلمان اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنی اس معاشرتی تذلیل پر قانع اور اپنے کو دوسرے درجہ کا مسلمان سمجھے جانے پر راضی تھے۔ یہ بے چارے اپنی سادہ لوحی سے یہ سمجھتے تھے کہ شاید حقیقی مسلمان یہ غیر مقلد حضرات ہی ہیں۔

پورے علاقے میں وقتاً فوقتاً غیر مقلدین کے جلسے ہوتے، جس میں چندہ سب سے لیتے، مگر بلاتے غیر مقلد علماء کو جو ائمہ مجتہدین اور طبقۂ احناف پر کھلم کھلا تبرا کرتے، جگہ جگہ انہیں کی تعلیم گاہیں، اور قریہ قریہ ان کے علما موجود رہتے۔ قریب تھا کہ پورا علاقہ ہی غیر مقلدیت کے

رنگ میں رنگ جاتا کہ قدرت نے اپنے دین کی حفاظت کا ایک عجیب وغریب انتظام کیا۔

متشدد غیر مقلد خاندان کے ایک فرد کے دل میں علم دین کے حصول کا جذبہ پیدا ہوا، اور قسمت نے ان کو ایک سنی عالم دین حضرت استاذ الاساتذہ مولانا مشتاق احمد صاحب کانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لا ڈالا۔ علم کی حقیقی روشنی پانے کے بعد گھر لوٹے تو ان کی حالت ہی عجیب ہوگئی۔ جیسے از سر نو مسلمان ہوئے ہوں، اور نو مسلموں کے سے ہی جوش وخروش کے ساتھ پورے علاقہ میں مسلک حنفیت کی تائید ونصرت کے لیے آمادہ ہوگیے، چوں کہ خود ذی علم تھے اس لے کثیر التعداد مناظروں میں ترکی بہ ترکی ان کا جواب دیا۔ ایک دارالعلوم بنام ''انوار العلوم'' کی بنیاد ڈالی اور علمائے اہل سنت کو بلا بلا کر سال بسال تبلیغی جلسے بھی کردیے۔ اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال بھی کیا۔ مدعیان ایمان وتوحید نے ان کے ستانے کے سارے ہی ہتھ کنڈے استعمال کیے اور ذلیل سے ذلیل حرکتیں کیں۔ لیکن استقلال کے ساتھ تھوڑی سی جدو جہد کے بعد مطلع صاف ہونے لگا، اور اہل سنت وجماعت کی حقانیت کا آفتاب نصف النہار پر چمکنے لگا۔ وہ مرد حق آگاہ اور عالم حق پناہ آج اس علاقہ کی مشہور دینی وعلمی شخصیت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب تھے۔

۱۹۴۹ء میں تدریس کے سلسلے میں جب میرا قیام مولانا کے قائم کردہ ادارے ''انوار العلوم'' تلشی پور ضلع گونڈہ میں ہوا۔ تب بھی مولانا اور غیر مقلدین کے درمیان ''مسئلہ حاضر ناظر'' پر تحریروں کا تبادلہ جاری تھا۔ غیر مقلدوں کی طرف سے دو رسالے ''جوابات حاضر وناظر'' اور ''خیر الامم'' اس مسئلہ کے خلاف اور ''خیر الانبیاء'' (مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی تحریر) اس مسئلہ کی تائید میں شائع ہو چکے تھے۔

مولانا نے اپنی تحریر میں ''مسئلہ حاضر ناظر'' کے معنی کی وضاحت کی تھی، کہ حضور سید عالم ﷺ کے حاضر وناظر ہونے سے علمائے اہل سنت کیا مراد لیتے ہیں۔ کیوں کہ جب تک دعویٰ متعین نہ ہو، دلیل کی حیثیت بے معنی بحث کی ہوتی ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کے ثبوت میں ایک آیت پیش کی، مزید چند آیتیں تائید میں تحریر کیں۔ اسی طرح مدعا کی مثبت اور اس کی مؤید حدیثیں بھی پیش کیں اور پھر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ کوئی نیا مذہب اور نیا خیال نہیں۔ علمائے متقدین کے اقوال نقل کیے کہ وہ حضرات بھی

حضور سید عالم ﷺ کی ذات پاک پر لفظ حاضر وناظر کا اطلاق کرتے ہیں۔اور انہیں حاضر وناظر مانتے ہیں۔اس کے بعد ان رسائل کے مندرجات کی طرف رجوع ہوئے جو حاضر وناظر کے رد میں لکھے گئے تھے۔

منکرین نے "مسئلہ حاضر وناظر" کے شرک ہونے پر یہ استدلال قائم کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَنَحنُ أَقرَبُ إِلَيهِ مِن حَبلِ الوَرِيدِ﴾[ق:س ۵۰ ـ ت ۱۶]

میں انسانوں کے رگ گلو سے قریب ہوں۔

تو حاضر وناظر ہونا خدا کی صفت ہوئی۔اور قرآن میں ہے:

﴿لَيسَ كَمِثلِهِ شَيءٌ﴾[شوریٰ:س ۴۲ـ ت ۱۱]

اس کے جیسا کوئی نہیں۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ یا کوئی انسان حاضر وناظر نہیں ہوسکتا۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اس کے جواب میں یہ معارضہ قائم فرمایا کہ اگر آپ کے استدلال کا یہی حال ہے تو قرآن شریف میں ہے:

﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ﴾[الاسراء:س ۱۷ـ ت ۱]

اللہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اور دوسری آیت آپ کی ہی تلاش کی ہوئی ہے:

﴿لَيسَ كَمِثلِهِ شَيءٌ﴾

لہذا کسی بھی دوسرے انسان کو سمیع وبصیر کہنا شرک ہوا حالاں کہ آدمی کو قرآن ہی خود سمیع وبصیر کہتا ہے:

﴿فَجَعَلنَاهُ سَمِيعاً بَصِيرًا﴾[الانسان:س ۷۶ـ ت ۲].

اس کے بعد ان تمام حدیثوں کو نقل کیا جن کو مولوی عبد الرؤف صاحب جھنڈے نگری وغیرہ نے علم غیب رسول کے خلاف اور آپ کے "حاضر وناظر" ہونے کی نفی کے طور پر پیش کیا تھا۔اور ان کا صحیح مطلب بیان کیا۔

۴۹ء میں جب میں تلشی پور پہونچا تو مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کی مذکورہ بالا تحریر کا

جواب تردید حاضرو ناظر کے نام سے تازہ بتازہ شائع ہوا تھا۔مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے اس کا جواب لکھنے کی خواہش ظاہر کی، مشاغل تدریس کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی میں نے سرانجام دیا۔مگر اشاعت کی نوبت اس وقت آئی جب میں تلشی پور سے علاحدہ ہوکر مبارک پور آ گیا۔

مولوی عبدالرؤف صاحب نے اپنی تالیف جدید میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کی پیش کردہ آیات واحادیث میں متعدد احتمال پیدا کیے اور کہا کہ ان آیات واحادیث میں چند معانی اور ہو سکتے ہیں۔تو استدلال میں احتمال پیدا ہو گیا۔اور آیت یا حدیث آپ کے معنیٰ مراد پر قطعی الدلالۃ نہیں رہ گئی۔اور یہ اصول ہے کہ جب کسی دلیل میں احتمال پیدا ہو جائے اور کچھ گوشے نکل آئیں تو قابل استدلال نہیں رہ جاتی۔اس لیے ان آیتوں یا حدیثوں سے استدلال غلط ہے۔

بعض دلائل کے جواب میں فرمایا دعویٰ اعم ہے اور دلیل خاص ہے۔یعنی دعویٰ کا مفہوم وسیع ہے اور دلیل سے اس سے کم ثابت ہو رہا ہے۔بعض حدیثوں پر جرح بھی کی۔اقوال کے جواب میں یہ کہا: ہم اہل حدیث ہیں، ہم پر دلیل یا قرآن سے قائم کی جاسکتی ہے یا حدیث صحیح سے۔کسی بھی بڑے سے بڑے عالم کا قول حجت نہیں ہے خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو، اس لیے غیر نبی کا قول پیش کرنا بے کار ہے۔اور کچھ غیر معروف کتابوں سے، وہ بھی مجہول حوالے دیے کہ علم غیب کا اعتقاد رکھنا علمائے احناف نے کفر بتایا ہے، پھر ان ساری حدیثوں کو کچھ اضافہ کے ساتھ دہرایا۔جن میں بظاہر علم غیب کی نفی تھی یا ان کے بقول علم غیب کا انکار نکلتا تھا۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ان کی دلیل پر جو معارضہ پیش کیا تھا اس کا جواب یہ دیا تھا:

کہ خدا کے سمیع وبصیر اور بندے کے سمیع وبصیر ہونے میں فرق ہے۔کہ وہ قدیم یہ حادث، یہ محدود اور وہ غیر محدود، وہ ذاتی اور یہ عطائی وغیرہ، جب اتنے فرق موجود ہیں تو شرک نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اشتراک تو صرف لفظ کا ہے، ورنہ خدا کے سمیع وبصیر ہونے اور بندے کے سمیع وبصیر ہونے میں بڑا فرق ہے۔

جواب دیتے وقت میں نے اس امر کو شدت سے محسوس کیا کہ شاید غیر مقلدین کے غلط فہمی کا اصل سبب یہ ہے کہ مسئلہ حاضرو ناظر کو بھی وہ لوگ عقیدہ توحید ورسالت کی طرح قطعی ویقینی

سمجھتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ علمائے اہل سنت حضورﷺ کو ''حاضر وناظر'' ماننا اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں، جتنا ان کو رسول ماننا، کہ اگر اس کا انکار کرے تو کافر قرار دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے ثبوت میں جو آیت یا حدیث پیش کی جاتی ہے اس کے جواب میں آیت میں کوئی احتمال پیدا کر کے کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ دلیل قطعی ویقینی نہیں رہ گئی، اس لیے استدلال غلط ہے۔ پس اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے میں نے ''باب فضائل کے چند اصول'' کا عنوان قائم کیا۔ اصل بحث تو کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے:

''کہ اسلام کے سارے احکام کی دو قسم ہے۔ ایک جس کا تعلق ماننے سے ہے عمل سے نہیں، اور ایک جس کا تعلق عمل اور کام سے ہے۔ یعنی مذہب اسلام میں کچھ باتیں کرنے کی ہیں اور کچھ ماننے کی۔ ماننے والے حصہ کو عقیدہ کہا جاتا ہے۔ اور کرنے والے حصہ کو عمل۔ پھر ان میں بھی دو دو قسمیں ہیں۔ عمل کی پہلی قسم فرائض جن کا ثبوت دلیل قطعی کا طالب ہے۔ دوسری قسم غیر فرض کہ اس کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت نہیں۔ دلیل ظنی سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عقائد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عقیدہ جس کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی چاہیے۔ اور فضیلت جس کا ثبوت دلیل ظنی سے بھی ہو سکتا ہے۔ ''مسئلہ حاضر وناظر'' کا تعلق آخر الذکر قسم سے ہے، اس لیے وہ آیتیں بھی اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے کافی ہیں جو آپ کے احتمال پیدا کرنے کے بعد ظنی الثبوت ہو جاتی ہیں۔ اس میں ہر حصے کو میں نے کافی بسط کے ساتھ حوالوں کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب میں مدعا کے ثبوت میں تین آیتیں پیش کی تھیں۔

(۱) سورۂ بقرہ۔ پارہ ۲

(۲) سورۂ نساء۔ پارہ ۵

(۳) سورۂ احزاب۔ پارہ ۲۲

کہ ان آیات میں حضور کو شاہد اور شہید کہا گیا ہے جس کے معنی حقیقی حاضر وناظر کے ہیں۔ اس لیے رسول اللہﷺ ''حاضر وناظر'' ہوئے، اور معنی مجازی گواہ لیے جائیں تو بھی، چوں کہ گواہ کے لیے مشاہدہ ضروری ہے۔ اس لیے اس طرح بھی رسول اللہﷺ کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فاضل رحمانی کو اس پر

پہلا اعتراض تو یہی تھا کہ یہ لفظ کئی معنیٰ میں مستعمل ہے، تو معنیٰ حاضر وناظر میں قطعی نہیں رہا۔ لہذا یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی ہے، کہ احتمال پیدا ہونے کے بعد استدلال ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حضور شاہد (گواہ) نہیں ہوں گے، بلکہ اپنی امت کے گواہوں کے مزکی اور مصدق ہوں گے کہ میری امت کے لوگ سچے ہیں اور گواہی کے قابل ہیں۔

تیسرا اعتراض یہ کہ شاہد اور گواہ ہوں تب بھی شاہد کے لیے دیکھنا ضروری نہیں، اس لیے آپ شاہد ہو کر بھی حاضر وناظر نہ ہوں گے۔

چوتھا اعتراض یہ کہ اگر شاہد کہنے کی وجہ سے حضور ﷺ حاضر وناظر ہیں تو امت کو بھی شاہد کہا گیا ہے، اس لیے وہ بھی حاضر وناظر ہوئے۔

میں نے اپنے جواب میں یہ واضح کیا کہ جب آپ کو اقرار ہے کہ شاہد کے معنیٰ ''حاضر وناظر'' بھی ہیں اور یہ ہم نصوص علماء سے ثابت کر آئے ہیں کہ قرآن اپنے ہر معنیٰ پر قابل استدلال ہے، تو پھر آپ انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ ہاں یہ استدلال قطعی اور یقینی نہ ہوگا۔ لیکن یہ واضح ہو چکا ہے کہ مسئلہ حاضر وناظر کے لیے ظنی دلائل بھی کافی ہیں۔

دوسرے اعتراض کے جواب میں میں نے یہ ثابت کیا تھا کہ آیت ۳ کی تفسیر میں مفسرین نے رسول اللہ ﷺ کے شاہد ہونے کو واضح کیا ہے اور آپ کی شہادت ساری مخلوق پر مانی ہے۔ اس لیے آپ کا یہ کہنا غلط کہ آپ شاہد نہیں صرف مزکی ہوں گے۔

تیسرے اعتراض کے جواب میں نصوص علما سے یہ ثابت کیا تھا کہ شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے، اور یہی شہادت (گواہی) کے حقیقی معنی ہیں۔ اور جن چیزوں میں بہ ضرورت سن کر فقہا نے گواہی جائز قرار دی ہے، اس کو مجازی معنی میں گواہی کہتے ہیں۔ اس لیے آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی گواہی حقیقی نہیں بلکہ سنی سنائی باتوں پر ہوگی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے اگر کسی دوسری مخلوق سے سنا جس نے دیکھا تو وہی حاضر وناظر ہوا، اور اگر اللہ تعالیٰ نے حضور کو سب کچھ بتایا تو یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ رسول اس لیے حاضر وناظر ہیں کہ اللہ نے ان کو سب کی یقینی خبر دے دی ہے۔

چوتھے اعتراض کے جواب میں لکھا تھا کہ امت کی گواہی اصلی نہیں فرعی ہوگی، جس کو اصطلاح فقہا میں شہادۃ علی الشہادۃ کہا جاتا ہے۔ اور اس کی تصریح متعدد روایات میں ہے۔ اس لیے ان کو حاضر وناظر کہنا درست نہ ہوگا۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنے مدعا کی تائید میں ایک آیت:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾[الأحزاب: س ۳۴۔ ت ۶]

نبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان سے قریب ہیں،

پیش کی۔ اور استدلال یوں قائم کیا تھا: کہ مولوی قاسم نانوتوی نے تصریح کی ہے کہ "اولیٰ" کے معنی "اقرب" کے ہیں، لہذا رسول اللہ ﷺ مومنوں سے قریب ہوئے اور آپ حاضر ہوئے۔ اور اللہ نے آپ کو ناظر بھی بنایا ہے، لہذا جہاں جہاں حاضر ہوئے وہاں وہاں ناظر بھی ہیں۔

مولوی عبدالرؤف صاحب نے اس آیت پر کلام کرتے ہوئے کہا:

آیت کے معنی قریب اور اقرب نہیں بلکہ اولیٰ بالتصرف (یعنی رسول اللہ کو مسلمانوں پر تصرف کرنے کا اختیار خود ان مسلمانوں سے بھی زائد حاصل ہے) اس لیے حاضر وناظر نہ ہوئے۔

دوسرا اعتراض یہ کہ مومنین صرف زمین پر ہیں تو رسول اللہ صرف زمین کے حاضر وناظر ہوئے، سارے عالم کے نہیں۔

اس پر میں نے اپنی تحریر میں بر سبیل تنزل لکھا تھا کہ اگر آپ نے مسلمانوں پر تصرف کرنے کا حق رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کرلیا، تو آپ نے حاضر وناظر ہونے کو مزید اختیارات کے ساتھ مانا۔ کیوں کہ تصرف کے لیے علم ضروری ہے، اگر سارے مومنوں پر تصرف کر سکتے ہیں تو ضروری ہے کہ سب کو جانیں بھی۔

دوسرے اعتراض کے سلسلہ میں کہا تھا کہ آپ کا خیال غلط ہے کہ مومن صرف زمین پر ہیں۔ مومن تو سارے عالم میں ہیں۔

حدیث نبوی ہے:

((وما من شيء إلا و يعلم أني رسول الله إلا كفرة أو فسقة الجن

والإنس)) (مجمع الزوائد للهيثمي: ٩/٦)

ہر شی مجھ کو خدا کا رسول مانتی ہے، کافر و فاسق جنوں اور انسانوں کے علاوہ۔

تیسری آیت جسے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنی تائید میں پیش کیا تھا:

آیت مبارکہ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾[الانبیاء:س ۲۱۔ت۱۰۷]ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب سارے عالم پر مہربان، اور مہربانی کرنے کے لیے علم بھی ضروری تو آپ سب کے عالم بھی ہوئے اور یہی معنیٰ ہیں آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے۔اس پر رحمانی صاحب کو یہ اعتراض تھا کہ قرآن میں رحمت کا اطلاق دیگر چودہ معانی پر بھی آیا ہے۔اس لیے اس آیت میں رحمت سے حضور ﷺ کو مراد لینا صحیح نہیں۔

اس کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ اس سے بڑی زیادتی اور کیا ہوگی کہ اللہ پاک تو اس آیت مبارکہ میں آپ کو مخاطب کر کے آپ کے لیے رحمت کا لفظ فرمارہا ہے، اور آپ کہہ رہے ہیں کہ رحمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات نہیں ہے۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے مسئلہ حاضر و ناظر کے ثبوت میں متعدد حدیثیں پیش کی تھیں، ان میں سے صرف چار حدیثوں کو ہم نے بحث کے لیے منتخب کیا تھا جو اس مدعا پر اس درجہ فصاحت سے دلالت کررہی تھیں کہ یہ مسئلہ گویا انہیں حدیثوں کی ترتیب و اجتماع سے اخذ کیا گیا ہو۔

(۱)"فوضع كفه بين كتفي فوجدت برد أناملها بين ثديي فتجلى لي كل شيء وعرفت".

(الجامع الصحيح للبخاري: تفسير سورة صافات ٢/١٥٥)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے مونڈھوں کے درمیان رکھا تو وصول فیض کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پس مجھ کو سب کچھ معلوم ہوگیا، اور مجھ پر سب روشن ہوگیا۔

(۲)"إن الله رفع لي الدنيا ، فأنا أنظر إليها وإلىٰ ماهو كائن فيها إلىٰ يوم القيامة، كأنما أنظر إلىٰ كفي هذا".(حلية الأولياء: ٦/١٠١)

اللہ پاک نے دنیا میرے پیش نظر کی تو میں اس کو دیکھتا ہوں اور جو اس میں قیامت تک

ہونے والا ہے اس کو دیکھتا ہوں۔ایسا جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی دیکھ رہا ہوں۔

(۳)"لا تسئلوني عن شيء إلا نبأتكم و أنا في مقامي هذا."

(مسند امام احمد بن حنبل: ۲/۵۰۳)

جب تک میں منبر پر کھڑا ہوں تم مجھ سے جو پوچھو میں بتاؤں گا۔

(۴)"يخبر كم بما مضىٰ وما هو كائن بعد كم."

(مسند امام احمد بن حنبل: ۳/۲۰۴)

یہ رسول تم کو ان سب کی خبر دیتے ہیں جو گذر گیا یا آنے والا ہے۔

یہ حدیثیں مسئلہ "حاضر و ناظر" کو جس وضاحت سے ثابت کر رہی ہیں ہر آدمی سمجھ سکتا ہے، کسی تفسیر یا وضاحت کی ضرورت نہیں لیکن "فاضل رحمانی" مولوی عبد الرؤف جھنڈے نگری کو ان پر بھی اعتراض ہے۔

پہلی حدیث پر انہوں نے کہا کہ حدیث شریف میں جس عام اور تام مشاہدے کا ذکر ہوا ہے عالم خواب کے بعد وہ کیفیت ختم ہوگئی۔اس لیے حضور حاضر و ناظر نہیں۔

اس پر میں نے عرض کیا تھا: انکشاف عالم خواب میں ہوا۔اس کا ثبوت حدیث سے ہے، خواب کے بعد اس انکشاف کے ذریعہ سے حاصل ہونے والا علم بھی ختم ہوگیا۔آپ کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟ کیا ہر تعلیم کے لیے یہ لازم ہے کہ تعلیم کے بعد حاصل ہونے والے علم کا ازالہ ہو جائے۔پھر آپ اپنے علم کا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟۔

پھر انبیاء کے خوب بھی وحی ہوتے ہیں۔آپ کی اس موشگافی کا مطلب تو یہ ہوا کہ وحی منامی کا وجود خواب ختم ہونے کے بعد کچھ نہیں۔وغیرہ وغیرہ۔

دوسری حدیث کو ضعیف کہہ کر فاضل رحمانی نے پیچھا چھڑایا تھا۔حالانکہ باب فضائل میں بالاتفاق ضعاف معتبر ہیں۔لیکن میں نے جواب میں اس کے موافق ایک صحیح حدیث پیش کر کے اس کو درجہ حسن تک پہونچا دیا تھا۔

تیسری حدیث پر انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا:

کہ جب تک آپ منبر پر تھے اس وقت تک آپ نے سب بتانے کا وعدہ کیا تھا۔منبر سے اترنے کے بعد خبر دینا ختم تو علم بھی ختم۔گویا کہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ پر

وہ حالت طاری ہوئی پھر ختم ہوگئی۔

یہ بات اتنی مضحکہ خیز ہے کہ اہل علم ہنسیں گے، مگر غیر مقلد حضرات سے اس کی کیا شکایت۔ میں نے اس کے جواب میں بتایا تھا کہ حضور نے فرمایا: جو پوچھو سب بتاؤں گا، آپ نے یہ بات سب کچھ جان لینے کی صورت میں کہی تھی۔ یا لاعلمی میں یوں ہی دھونس جمانے کے لیے۔ اگر یہ عام اعلان علم ہونے کی صورت میں تھا تو خبر دیں نہ دیں آپ عالم ہوئے۔ اس لیے یہ بالکل بے ہودہ بات ہے کہ منبر سے اترنے کے بعد خبر دینا ختم تو علم بھی ختم۔ اہل اسلام کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ مولوی عبدالرؤف صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی تھی۔ کہ حضور ﷺ کا یہ قول عالم غضب میں تھا۔ اس لیے قابل استدلال نہیں، معاذ اللہ گویا حضور نے غصہ کے عالم میں صرف دھونس جمائی تھی علم نہ تھا۔ یہ بات فاضل رحمانی کی ہر چند کہ لاجواب تھی پھر بھی ہم نے حدیثوں سے یہ ثابت کیا تھا کہ حضور عالم غضب میں بھی سچ ہی بولتے تھے۔

اور سب کے بعد یہ ایک پر لطف سوال فاضل رحمانی سے کیا تھا کہ آپ نے انکشاف تام اور سارے عالم کا علم تسلیم کیا گو تھوڑی دیر کے لیے، اور جہاں دعویٰ عام دلیل خاص کہہ کر جواب دیا ہے وہاں محدود علاقہ کے لیے، تو کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے اور محدود علاقہ کے لیے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں؟

چوتھی حدیث کا فاضل رحمانی نے یہ جواب دیا تھا:

کہ حدیث شریف میں لفظ ''ما'' عام نہیں ہے کہ ما کان و مایکون کا علم مراد لیا جا سکے۔ ورنہ اُمی کے لیے بھی ایک جگہ

﴿ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾[البقرة: س ۲۔ت ۱۵۱]

آیا ہے، تو وہ بھی حاضر و ناظر اور عالم ما کان و ما یکون ہوں گے۔

اس کے جواب میں میں نے بتایا تھا کہ ''ما'' اصل وضع میں عموم کے لیے آتا ہے اور اس کو اس معنی سے پھیر کر مجازی معنی میں لے جانے کے لیے قرینہ اور تخصیص کی دلیل چاہیے۔ جو آپ دکھا نہیں سکتے۔ اور امت کو حضور نے خبر سب کی دی لیکن وہ عالم ما کان و مایکون اس لیے نہیں ہوئے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے:

((فأعلمنا أحفظنا))(الصحیح لمسلم کتاب الفتن ۲/۳۹۰)

جس نے جتنا یاد رکھا وہ آج اتنا بڑا ہی عالم ہے۔ یعنی سب کو پورا یاد نہیں رہا۔

اس کے بعد میں نے ان آیتوں اور حدیثوں کو ایک ساتھ لکھ کر جن کو علم غیب اور حاضر وناظر کی نفی میں پیش کیا جاتا ہے ان کے مقابلہ میں ان آیتوں اور حدیثوں کو ذکر کیا تھا جن سے آپ کے حاضر وناظر اور ساری کائنات کے عالم ہونے کا ثبوت ملتا ہے، پھر ان دونوں میں علمائے اسلام نے جو تطبیق دی اس کا ذکر کیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: عالم ماکان وما یکون ہیں جیسا کہ ثبوت علم کی آیات اور احادیث بتا رہی ہیں۔ اور جن میں نفی ہے وہاں علم ذاتی غیر متناہی اور علم حضوری وغیرہ مراد ہے۔ اور اللہ کے عالم الغیب اور رسول اللہ کے عالم غیب ہونے میں بے شمار فرق ہے۔ جس طرح فاضل رحمانی نے بندہ اور خدا دونوں کو سمیع وبصیر مان کر دونوں میں حادث، قدیم، ذاتی، عطائی کا فرق نکالا تھا۔

اقوال علما کے سلسلے میں میں نے لکھا تھا کہ آپ ان کو دیکھ کر بدکیے نہیں، یہ آپ کے اس الزام کے جواب ہیں کہ حاضر وناظر ماننا اہل بریلی کی ایجاد ہے۔ کیوں کہ جن علما کے ہم نے اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی بریلوی نہیں ہے۔ ان کے نقل کیے ہوئے اقوال پر بھی ہم نے کلام کیا تھا جس کو آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔

ہم نے یہاں تک طرفین کی پوری بحث کا خلاصہ تحریر کر دیا ہے، انشاء اللہ کسی کو ناقص ترجمانی کی شکایت نہ ہوگی، اس سے ہماری کتاب (الشاہد) کے سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ اور اس کے بعد ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس پر بھی روشنی پڑے گی۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ کتاب مکمل ہونے کے بعد تلشی پور میں اس کی اشاعت نہ ہو سکی، ۱۹۵۶ء میں تلشی پور چھوڑ کر میں دار العلوم اشرفیہ میں آ گیا، اور ایک طرح سے اس کی اشاعت سے مایوس ہی ہو چکا تھا، کہ مولانا الاعز محمد حنیف صاحب براؤنی زید مجدھم کی جدوجہد سے ۱۹۶۰ء میں یہ کتاب شائع ہو سکی، چھ سال بعد ۱۹۶۶ء میں اس کا جواب ''ابطال شواہد الشاہد'' نظر سے گذرا، پورے شوق اور انتہائی بے تابی سے پوری کتاب پڑھ ڈالی۔ مؤلف کوئی نوخیز عالم ہیں۔ کتاب ہاتھ میں لی تھی تو شوق تھا کہ بحث کے کچھ نئے گوشے سامنے آئے ہوں گے۔ اور جواب میں لکھنے کے لیے کچھ میدان اور وسیع ہوا ہوگا۔ لیکن کتاب پڑھ کر طبیعت سخت بدمزہ ہوئی۔ اور خیال گذرا کہ فاضل رحمانی نے شاید یہ سوچ کر خود جواب کی زحمت نہیں اٹھائی کہ

اصل مسئلہ سمجھانے کے لیے طرفین سے اب تک جو کچھ کہا جا چکا ہے وہی کافی ہے۔اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔اور جواب کے نام سے کچھ نہ کچھ ہونا ہی ہے، تو اس کے لیے یہ صاحب زادے ہی کافی ہیں۔جنہیں آگے پیچھے کی بھی سدھ بدھ نہیں۔یہی بے باکی سے اناپ شناپ بک سکیں گے۔

چنانچہ اس کتاب کے جواب لکھنے کا داعیہ بالکل ختم ہو گیا۔لیکن اس موضوع پر کچھ اور بھی میٹرس میرے پاس جمع تھے۔اس لیے بالکل نئے سرے سے اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر ایک تحقیقی کتاب سوال و جواب کے نقطۂ نظر سے ہٹ کر لکھنا شروع کیا۔ابتدا کے پندرہ بیس صفحے لکھ بھی لیے، پھر جو دوسرے کاموں کا ہجوم ہوا تو یہ اوراق بھی زینت طاق نسیاں ہو گئے۔

ادھر الشاہد کے مطبوعہ نسخے ختم ہو گئے، تو مکتبۃ الحبیب الہ آباد والوں نے بطور خود اس کتاب کی دوبارہ کتابت کرالی اور شائع کرنے کا اعلان کیا جس کو کئی سال ہو گئے۔اس طرح اس کتاب کے ساتھ الہ آباد میں بھی ایک بار پھر وہی سلوک ہوا جو ابتدا میں تلشی پور میں ہو چکا تھا۔

اب پھر مختلف حلقوں سے اس کی اشاعت کا تقاضا ہوا۔اس لیے دوسرے ایڈیشن کی خاطر اسے پریس میں دینا پڑا اور یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس نئی کتاب کے بارے میں بھی کچھ صفحات ملحق کر دیے جائیں جس سے ناظرین اندازہ لگا سکیں کہ یہ نئی کتاب ایک نو آموز کی شوخیوں سے زائد کچھ نہیں۔

باب فضائل کے چند اہم اصول

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ مسئلہ "حاضر و ناظر" علم غیب۔یا جسد اطہر کے سایہ ہونے، نہ ہونے کی بحث۔یا اس قسم کے اور دیگر مسائل ان کا تعلق عقیدے سے بایں معنی ہرگز نہیں کہ جس طرح حضور کی رسالت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح ان کا بھی اقرار فرض ہے، بلکہ ان کا تعلق فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس کے بارے میں اہل سنت و جماعت کثرھم اللہ تعالیٰ کے جو بنیادی اصول ہیں انہیں اجمالاً عرض کر دیں، کہ مسئلہ "حاضر و ناظر" کی ساری بحث جو فاضل رحمانی کے کرتوت سے بے اصولی اور انتشار کی نذر ہو گئی ہے۔ایک منظّم شکل میں سامنے آجائے۔اصول یہ ہیں:

(۱) جس طرح تمام عبادات و اعمال میں جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا ماننا فرض

ہے،اور اگر یہ ثبوت ضروری دینی ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ جیسے نماز، روزہ، اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے اس کے ماننے والے کا فر و مشرک ہونا تو بڑی بات ہے، وہ پکے مسلمان ہیں، اور ان کو مشرک یا گمراہ کہنے والا خود بد دین ہے، جیسے نفل نماز، نفل روزے۔ اسی طرح تمام فضائل متعلقہ نبوت میں بھی جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ جیسے ''اسریٰ'' اس کا منکر کافر (اور یہی عقیدہ بھی ہے) اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے جیسے مشک سے زیادہ خوشبودار پسینہ ہونا۔ ان کا ماننے والا پکا مسلمان اور اس کے ایمان میں شک کرنے والا خود گمراہ۔

(۲) قرآن عظیم ذی وجوہ کثیرہ ہے۔ اور ہر وجہ کی بنا پر محتج بہ ہے، تاوقتے کہ وہ وجوہ باہم متضاد نہ ہوں۔ اگر کسی وجہ سے کوئی استدلال کرے تو صرف یہ کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا کہ اس آیت میں دیگر احتمالات بھی ہیں۔ اور **إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** . زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ جو باب فضائل میں مقبول ہے۔

(۳) حضور ﷺ اپنے ہر ہر وصف جمیل میں سارے عالم میں بے مثال ہیں، اس لیے ان کے فضائل کی جانچ کا معیار بھی عام انسانوں سے بلند ہوگا۔

(۴) وہ معیار یہ ہے کہ آپ کی کسی فضیلت سے بحث کرتے وقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فضیلت عام عقول کے خلاف ہے۔ اس لیے غلط ہے، بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ عقل کامل کے نزدیک ایسا ممکن ہے یا نہیں۔

تشریح:

مذکورہ بالا چاروں اصول گو بجائے خود بہت واضح اور مسلم ہیں جن کا انکار کوئی صاحب عقل سلیم نہیں کرسکتا، لیکن مزید وضاحت کے لیے ہم ضروری تشریح مناسب سمجھتے ہیں۔

فضائل کی قطعیت اور ظنیت: فضائل محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ دو قسمیں جنہیں ہم نے نمبر اول کے ضمن میں بیان کیا ہے ان کا ثبوت اسلام کی پوری تاریخ سے ہوتا ہے۔ خود واقعہ معراج ہی میں یہ تقسیم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''مدارج النبوۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اسریٰ کہ بردن آں حضرت است از مکہ تا مسجد اقصیٰ ثابت است بکتاب اللہ کہ منکر آں کافر ست۔ واز آنجا بآسمان بردن کہ معراج است از احادیث مشہور کہ منکر آں مبتدع وفاسق

ومخذول است۔ وثبوت دیگر از جزئیات عجائب وغرائب احوال باخبار است کہ منکر آں جاہل محروم است۔

اسرا کہ حضور کو مکہ سے بیت المقدس تک لے جانے کا نام ہے، قرآن سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے۔ اور وہاں سے آسمان پر جانا جس کو معراج کہتے ہیں، اس کا ثبوت مشہور حدیثوں سے ہے، اس کا منکر بدعتی فاسق رسوا ہے۔ اور دیگر جزئیات اور عجیب وغریب حالات کا ثبوت ایسی خبروں سے ہے کہ ان کا منکر جاہل ومحروم ہے۔

[مدارج النبوۃ جلد اول ص: ۱۷۵]

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی واقعہ معراج میں جو حضور کے فضائل میں بڑے بلند مرتبے پر ہے۔ کچھ کا منکر کافر، کیوں کہ اس کا ثبوت نص قرآنی اور دلیل قطعی سے ہے۔ اور کچھ کا ثبوت چوں کہ اتنا قطعی نہیں ہے، اس لیے اس کا منکر محروم اور جاہل وغیرہ ہے کافر نہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چوں کہ اقرار معراج باب عقائد سے ہے، اس لیے اس کا ثبوت دلیل ظنی یا اخبار احاد سے نہیں ہوسکتا۔ اور معراج کے دیگر جزئیات کو ماننا کفر ہے، اگر کوئی پیدا ہوا تو فاضل رحمانی جن کو عقائد وفضائل میں تمیز نہیں۔ اور اس جہالت پر آپ کو فخر بھی ہے گویا آپ کی زبان حال کہہ رہی ہے:

کو دا تری مجلس میں کوئی دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے بھی نہ ہوگا

اسی طرح ''مسئلہ حاضر وناظر'' بھی جو فضائل سید المرسلین ﷺ میں سے ایک فضیلت ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے دلیل ظنی کافی ہے۔ دلیل قطعی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز دلیل قطعی سے ثابت ہے، اگر اعمال سے ہے تو فرض بن جاتی ہے۔ اور اقراریات سے ہے تو ایسا عقیدہ بن جاتی ہے جس انکار کفر ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے فرض مانو، پھر دلیل تلاش کرو۔ یا پہلے عقیدہ تسلیم کرلو پھر حجت ڈھونڈو۔ ہمارے ''فاضل رحمانی'' مسئلہ ''حاضر وناظر'' کو باب عقائد سے مانتے اور دھڑ ادھڑ دلیل قطعی کے طالب ہیں۔ جیسا کہ ان کی اس حرکت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت میں احتمال نکال کر کہتے ہیں کہ استدلال ختم ہوگیا۔ ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ ''مسئلہ حاضر وناظر'' باب عقائد سے ہے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان. اگر فاضل رحمانی کو دعویٰ ہے تو دلیل لائیں۔ تعجب ہے کہ جو علم سے اتنا کورا ہو کہ فضائل وعقائد کو ٹھیک نہ سمجھ سکے

وہ اپنے دماغ کو منطق اسلامی کا مخزن بتائے، علمی مسائل پر قلم اٹھائے۔ افسوس

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ۔۔۔ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اس امر کی شہادت کہ قرآن عظیم کی ایک ایک آیت میں مختلف معانی ہیں، اور ہر ایک سے استدلال جائز ہے۔ پوری تاریخ اسلام دیتی ہے۔ اور خود مخبر صادق سرکار دو عالم ﷺ کی احادیث کریمہ سے بھی قرآن کے کثرت معانی کا ثبوت ہوتا ہے۔ ابونعیم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

((القرآن ذو وجوه كثيرة، فاحملوه على أحسن وجوهه.))

(كنز العمال: ۲۴۶۹)

قرآن عظیم بہت وجہوں والا ہے۔ تو سب سے ٹھیک وجہ پر اسے حمل کرو۔

فریابی نے حسن رضی اللہ تعالیٰ سے روایات کیں:

((لكل آية ظهر وبطن، ولكل حرف حد، ولكل حد مطلع))

(كنز العمال: ۲۴۶۱۰۔۱/۵۵۰)

ہر آیت کے ظاہری معنی ہیں اور باطنی اور ہر حرف کے لیے حد و مطلع ہیں۔

((عن أبي الدرداء أنه قال: لا يفقه العبد كل الفقه حتى يرىٰ للقرآن وجوها.)) (اتحاف السادة المتقين للزبيدي: ۴/۵۲۷)

حضرت ابودرداء فرماتے ہیں: آدمی اس وقت تک فقیہ کامل نہیں ہوتا جب تک اس کو قرآن کی کثیر وجوہ پر عبور حاصل نہ ہو جائے۔

وقال بعض العلماء: ((لكل آية ستون ألف فهم.))

اور بعض عالموں کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار معانی ہیں۔

وقال علي رضي الله عنه: ((لو شئت لأوقرت من القرآن أربعين بعيرًا.)) (مرقاة المفاتيح: ۱/۲۳۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو قرآن کی تفسیر سے چالیس اونٹوں کو لادوں۔

"القرآن ذو وجوه، وهو حجة بكل وجهة مالم تتنافا".

قرآن کی کثیر وجہیں ہیں اور جب تک وہ باہم منافی نہ ہوں سب سے استدلال جائز ہے۔

یوں ہی:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً [البقرة: س ۲۔ ۲۰۱]﴾

کی تین سو تفسیریں کی گئی ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آیات قرآنی میں وجوہ کثیرہ اور معانی وافرہ ہیں۔

جمیع العلم في القرآن لکن تقاصر عنه أفهام رجال

اور یہ امر کہ ہر وجہ محتج بہ ہے اس کی تصریح علامہ زرقانی شارح مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب زرقانی میں کی۔ اور عملا تو ساری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، چناں چہ علمائے امت کے باہمی اختلاف اور ایک آیت سے متعدد استدلال اس کی واضح نشانی ہیں۔ چناں چہ قرآن کی آیت: ﴿ثلاثة قروء﴾ سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طہر مراد لیتے ہیں، اور کروروں مسلمان اس پر عمل کرتے ہوئے عورت کی عدت طہر قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف حنفیہ حیض مراد لے کر عدت حیض قرار دیتے ہیں۔ اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، اگر آیت کے یہ دونوں احتمال قابل استدلال نہ ہوتے تو سرے سے حنفیہ اور شافعیہ کا یہ استدلال باطل ہو جاتا، اور آج غیر مقلدین بھی کسی آیت اور حدیث سے کوئی استدلال قائم نہیں کر سکتے، کیوں کہ ہر آیت وحدیث کے علما نے مختلف معانی اور احتمالات بیان کیے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا آیت سے ہی غیر مقلدین اپنا مسلک خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ثابت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ ان کے مدعا کے خلاف احتمالات اس آیت میں موجود ہیں۔

رفع شک:

یہیں سے فاضل رحمانی کی ان تمام مذبوحی حرکتوں کا رد بھی ہو گیا جو انہوں نے "حاضر وناظر" کی بحث میں اس حیثیت سے کی ہیں: کہ ہر دلیل کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی احتمال نکال دیا ہے، اور یہ لکھ دیا ہے کہ چوں کہ اس آیت یا حدیث کے صرف وہی معنی نہیں ہیں جو مثبت نے تحریر کیے ہیں، بلکہ دیگر احتمالات بھی ہیں، اس لیے یہ دلیل ہم کو کچھ بھی مضر نہیں۔ مثلاً وہ "شاہدا" کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر شاہد کے معنی حاضر وناظر کے ہوں جب بھی ہم کو مضر نہیں۔ کیوں کہ شاہد کے اور بھی معنی آتے ہیں۔ جیسے دن کو مشہود اور امتیوں کو شاہد وغیرہ کہا گیا

ہے۔اس لیے حاضر وناظر کے احتمال کے ساتھ ہی ان دیگر معانی کا بھی احتمال ہے۔اور **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

لیکن جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اگر چند احتمال قرآن مجید کی کسی آیت میں ہوں تو ہر ایک سے استدلال کیا جاسکتا ہے، بشرطے کہ اس میں تعارض نہ ہو، پھر معنی حاضر وناظر کی بنا پر اہل سنت اگر حضور کو حاضر وناظر مانتے ہیں تو صرف دیگر احتمال کی وجہ سے اس کا انکار کیوں کر ممکن ہے؟ جیسا کہ فاضل رحمانی نے جگہ جگہ اس پھوس کی ٹٹی سے آڑ لی ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔لیکن ہم یہ کب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو حاضر وناظر ماننا فرض ہے۔یہ ایمان کا تقاضہ ہے کہ جس کو اس کا جتنا حصہ ملتا ہے حضور سے اس کی محبت اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔

دہد عشق احمد بندگان چیدۂ خودرا　　　بخاصاں شاہ می بخشد مئے نوشیدۂ خودرا

اسی طرح "علم الانسان" کی بھی مختلف تفسیریں نقل کر کے فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ یہ کوشش کی ہے کہ چوں کہ علم کے کئی معنی ہیں اور انسان سے بھی مفسرین نے ایک سے زیادہ مراد لی ہے۔اس لیے "علم الانسان" سے حضور ﷺ کی وسعت علمی پر سند لانا درست نہیں۔ اس کا دوٹوک جواب تو یہی ہے کہ قرآن ہر احتمال کی بنا پر قابل احتجاج واستدلال ہے۔اس لیے کسی احتمال کی بنا پر اگر کوئی شخص حضور کی وسعت علمی کا قائل ہو تو اس کو مشرک و کافر فرمانے سے پہلے اس مفسر کو کافر ومشرک قرار دیجیے جس نے یہ تفسیر کی ہے!

فاضل رحمانی نے آیت:

﴿وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ [العلق: س ۹۶۔ت ۵]

کی کئی تفسیریں لکھی ہیں۔کسی میں حضور ﷺ مراد ہیں، اور بیان سے مراد وما کان ومایکون ہے، تو کسی میں انسان سے مراد آدم اور بیان سے مراد اسماء کل شیء۔اور کسی میں انسان سے مراد جنس انسان اور بیان سے مراد منطق فصیح۔لیکن پہلی تفسیر کو کمزور ثابت کرنے کے لیے عجب عجب حرکتیں کی ہیں۔کہتے ہیں کہ چوں کہ پہلی تفسیر کو مفسروں نے لفظ "قیل" سے بیان کیا ہے لہذا ضعیف۔تمام احتمالات کے اخیر میں لکھا ہے لہذا ضعیف۔اس کو بطریق احتمال کیا ہے، مستند مفسروں نے اس کو بیان نہیں کیا ہے، لہذا ضعیف۔۔اور یہ تمام مذبوحی حرکتیں اس لیے کی گئی ہیں کہ پہلی تفسیر کو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے نقل کیا ہے۔لیکن خود ہی بری طرح بے

ایمانی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیوں کہ اگر لفظ قیل وجہ ضعف ہے تو وہ تفسیر جس کو آپ نے بڑے طمطراق سے صحیح کہہ کر پیش کیا ہے اس کو بھی صاحب خازن نے لفظ قیل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے وہ بھی مرجوح ہوئی۔ لیکن شاید آپ نے خازن دیکھتے وقت بے ایمانی کی عینک لگائی تھی۔ اس لیے آپ کو نظر نہ آیا، اگر اخیر میں بیان کرنا وجہ ضعف ہے تو علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں حضرت آدم علیہ السلام والے قول کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے، جس کو آپ معتبر کہہ چکے ہیں۔ پھر کہیے آپ سچے؟ آپ کا قاعدہ سچا؟ یا امام رازی؟ اور اگر علمائے تفسیر کا اس احتمال کو ذکر نہ کرنا وجہ ضعف ہے، تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر میں صرف حضرت آدم والا قول نقل کیا ہے بقیہ کو چھوڑ دیا ہے۔ بیضاوی میں انسان مطلق والی تفسیر ہے اور بقیہ کو چھوڑ دیا ہے۔ امام بغوی، خازن، مدارک، تفسیر کبیر، اور حسینی، سواطع الالہام میں تینوں اقوال منقول ہیں۔ آپ کے بیان کردہ اصول پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر حضرت آدم والے قول کے علاوہ سب ضعیف۔ بیضاوی کی تفسیر پر انسان مطلق قوی اور بقیہ دونوں ضعیف، اور بقیہ تفاسیر پر سب قوی، کیا گورکھ دھندا ہے۔ بندہ پرور، سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔ ۱۲ منہ

یوںہی فاضل رحمانی نے آیت:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ﴾ [المائدة: س ۵۔ ت ۱۰۹]

کے تحت لکھا کہ اگر حضور ''حاضر وناظر'' ہیں اور اعمال امت جانتے ہیں، تو جب قیامت میں سب رسولوں کو جمع کر کے خدا پوچھے گا تو لا علم لنا (ہمیں کوئی علم نہیں) کیوں فرمائیں گے۔ مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے رسالۂ خیر الانبیاء میں مدارک کے حوالہ سے ایک تفسیر نقل کی:

''قالوا: ذلک تأدباً أي: علمنا ساقط مع علمک، فکأنه لا علم لنا''.

(مداک التنزیل: ۱/۳۰۸)

انبیا یہ جواب ادباً دیں گے کہ ہمارا علم تو تیرے علم کے مقابلہ میں ہیچ ہے گویا ہم کو کوئی علم نہیں۔

فاضل رحمانی نے یہاں بھی کئی تفسیریں نقل کی ہیں۔ لیکن جب یہ اصول طے ہو گیا کہ قرآن ہر وجہ کی بنا پر محتج بہ ہے، تو اس کا ہمارے مدعیٰ پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ہمارا استدلال کثرت

احتمال کی بناپر ظنی ہوگا۔یعنی اس کا انکار کفر نہیں۔

یہاں بھی فاضل رحمانی نے انتہائی بے وقوفی سے راجح مرجوح کی بحث پیدا کی ہے کہ مدارک میں اس کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔اول وآخر کی بحث ایک ایسی نکتہ آفرینی ہے جو جھنڈے نگر مدرسہ میں تو کارآمد ہوسکتی ہے اور جگہ نہیں۔

افضلیت سید المرسلین:

جب سے دنیا عالم وجود میں آئی ایسی کوئی نظیر علاوہ رسول عربی ﷺ کے پیش نہیں کی جاسکتی کہ کوئی شخص دنیا میں آنے سے پہلے بھی احساس وادراک کی اس بلندی پر ہو جس کا دسواں حصہ بھی دوسروں کو دنیا میں آنے کے بعد نہ ملے۔اور دنیا میں آنے کے بعد بھی بہت سے انسانی خواص اور لوازم سے پاک وصاف ہو اور جب دنیا سے تشریف لے جاے جب بھی اس شان بے مثالی کے ساتھ کہ ماضی ومستقبل کوئی بھی اس کا حریف نہ بن سکے۔لیکن سرکار دوعالم ﷺ کی ذات والاصفات میں یہ تمام محامد بیک وقت جمع ہیں۔

رسول عربی دنیا میں آنے سے پہلے:

امام احمد، بیہقی، ابونعیم، ترمذی نے روایت کی اور حاکم نے صحیح کہا، لفظ ترمذی کے ہیں:

”أنهم قالوا: متى وجبت لک النبوة؟ يا رسول الله !قال: وآدم بين الروح والجسد. (الجامع للترمذي: كتاب المناقب، ۳۶۲۹)

صحابہ نے عرض کیا: سرکار آپ کو منصب نبوت کب دیا گیا؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں: کہ حضور اپنی نبوت اس وقت بیان کرتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ تھا۔آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کے اگر صرف یہ معنی ہوں کہ اس وقت علم الٰہی میں آپ کی نبوت طے تھی، کہ آئندہ چل کر آپ نبی ہوں گے تو اس میں حضور کی کون سی مدح نکلتی ہے، اور اس تخصیص کے کیا معنی کہ آدم کا پتلا جب بن رہا تھا اس وقت بھی میں نبی تھا، علم الٰہی میں تو ہر ہر نبی کی نبوت ازل سے طے شدہ ہے، اسی لیے یہ ضروری ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہوں کہ حقیقت محمدیہ ﷺ کو نبوت کا منصب جلیلہ اسی وقت سپرد کردیا گیا

تھا۔ اور آپ اسی وقت سے اس مرتبہ پر فائز تھے۔ البتہ مادی دنیا میں اس کا ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

آپ کا وجود گرامی دنیا میں:

"نام رسول الله ﷺ في دار أنس، فجاء ت أمه ومعها قارورة تجمع فيها عرقه، فسألها النبي ﷺ عن ذلک فقالت: نجعله في طيبتا يا رسول الله! وهو أطيب الطيب. متفق عليه. (الصحيح لمسلم: كتاب الفضائل، ۲/۲۵۷)

حضور جان نور ﷺ ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سو گئے، حضرت انس کی ماں ایک شیشی لائیں، اس میں پسینہ جمع کرنے لگیں، حضور نے پوچھا کیا کر رہی ہو، عرض کی ہم اسے اپنے عطر میں ملائیں گے اور یہ تو ہماری بہترین خوشبو ہے۔

"أخرج حكيم الترمذي عن ذكوان أن رسول الله ﷺ ولم يكن يرىٰ له ظل، لا في الشمس، ولا في القمر". (الخصائص الكبرىٰ: ۱/۶۸)

حکیم ترمذی حضرت ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ ﷺ کا سایہ نہ تو چاندنی میں نظر آتا تھا نہ دھوپ میں۔

سیدنا عبد اللہ بن مبارک، حافظ علامہ محدث ابن جوزی رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"لم يكن لرسول الله ظل، وكذا في المدارک عن عثمان".

حضور کا سایہ نہ تھا۔ ایسا ہی مدارک میں حضرت عثمان سے مروی ہے۔

پردہ فرمانے کے بعد:

ابو داؤد، ابن ماجہ نے روایت کی اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ سے:

"قال رسول الله ﷺ: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فأكثروا عليّ من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة عليّ قالوا: يا رسول الله! كيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت، قال: يقولون بليت، قال: إن الله حرم على الأرض أجساد الأنبياء. (السنن لأبي داؤد: ابواب الجمعة ۱/۱۵۰)

رسول عربی ﷺ نے فرمایا: تمہارا بہترین دن جمعہ ہے، اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، کہ تمہارا درود وسلام میری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، عرض کی حضور ایسا کیسے ہوسکتا ہے، آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے، حضور ﷺ نے فرمایا: خدائے حیّ وقیوم نے انبیا کے جسم کو زمین پر حرام فرمادیا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے:

((إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء ، فنبي الله حيّ يرزق.)) (السنن لابن ماجة: باب فضل الجمعة ۱/۷۷)

اللہ تعالیٰ نے انبیا کا جسم زمین پر حرام فرمادیا ہے، پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

بزار اور ابن عدی نے روایت کی اور بیہقی نے صحیح کہا:

((الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون.))

(كنز العمال للمتقي: ۳۲۲۳۔۱۱/۴۷۵)

انبیائے کرام زندہ ہیں اپنی اپنی قبروں کے اندر نماز پڑھتے ہیں۔

پھر دوسری روایت ہے:

((إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة، ولكن يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور.))

(كنز العمال للمتقي: ۳۲۲۲۷۔۱۱/۲۱۵)

انبیا اپنی قبروں میں چالیس دن کے بعد نہیں چھوڑے جاتے، مگر یہ کہ اپنے رب کے حضور تا قیامت نماز پڑھیں۔

تنویر:

مذکورہ بالا احادیث ہیں ابن ماجہ کی روایت ((فنبي الله حي يرزق)) اور بیہقی کی روایت ((الأنبياء أحياء في قبورهم)) تو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر عبارت النص ہے، اور ابوداؤد کی روایت جس کے شواہد بکثرت موجود ہیں۔ حیات نبوی پر التزاماً دلالت کرتی ہے، کیوں کہ حضور نے درود بھیجنے کو کہا۔ اس پر صحابہ کے فہم میں یہ بات نہ آئی کہ حضور وفات کے

بعد کیسے سلام قبول فرمائیں گے؟ حالاں کہ آپ کا جسد اطہر ریزہ ریزہ ہو گیا ہوگا اور روح خدا معلوم کہاں ہوگی، اس پر ارشاد ہوا کہ تم عام لوگوں کی طرح ہماری موت نہ سمجھو۔ روح تو خیر سب کی محفوظ رہتی ہے۔ ہمارا جسم بھی زمین کی دسترس سے محفوظ ہے۔ ہم کو پردہ فرمانے کے بعد ایسا ہی سمجھو جیسا کہ اس حیات میں۔

انبیا کو بھی اجل آنی ہے　　　مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات　　　مثل سابق وہی جسمانی ہے

چوتھی حدیث جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انبیا اپنے مزارات مقدسہ میں چالیس دن کے بعد نہیں رہتے، اور اپنے رب کے حضور نماز پڑھتے ہیں، قبر میں نہ رہنے کے یہ معنی سمجھنا کہ آپ مردہ ہیں، معاذ اللہ وہی خیال کرے گا جو سری اور پاگل ہو۔ اور جس کا دماغ اس حد تک چل گیا ہو کہ سیدھی بات سمجھ میں آہی نہ سکے۔

ورنہ اس حدیث سے انبیا علیہم السلام کی موت کسی طرح ثابت نہیں ہوئی۔!

....

افاضل رحمانی نے حتی الامکان حضور سید عالم ﷺ کو مردہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے، اور حیات انبیا پر پردہ ڈال کر نصوص کے مقابلہ میں بیہقی کی وہ حدیث (جس پر خود بیہقی نے تنقید کی اور بر تقدیر صحت تاویل کی) پیش کی ہے، اور لکھ دیا: **اذا تعارضا تساقطا**. اور اس **فاقد البصر و البصيرة** کو خود اپنی مستند کتاب نور الانوار کا یہ قاعدہ نظر نہ پڑا کہ "**المعارضة تقابل الحجتين على السواء لامزية لأحدهما**" تعارض دو دلیلوں کا ایسا مقابلہ ہے جس میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ ہو۔ اور یہاں صاف جرح موجود ہے۔

"**فيه شيء من سوء الحفظ.**" ان کا حافظہ کسی قدر کمزور ہے۔

حیرت ہے کہ: ((**لايتركون في قبور**)) کو ((**أحياء في قبورهم**)) کے معارض قرار دے رہا ہے حالاں کہ عدم ترک عدم حیات کو قطعاً مستلزم نہیں، پھر لطف یہ ہے کہ حدیث ((**لا يتركون في قبورهم**)) خود ہمارے مخالف کے عقیدے پر صحیح نہیں "ملاحظہ ہو تردید حاضر وناظر" اس کے خلاف ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ روضۂ اطہر میں پوری راحت، ابدی مسرت، بے انتہا سرور کے ساتھ سب سے بڑے درجہ، سب سے زیادہ قرب خدا میں آرام فرما ہیں۔

تاہم یہ بات بھی کہ انبیا اپنے مراقد میں جلوہ فرمانہ ہوں تصریحات اسلام کے بالکل

....

صفحہ ۲۷ پر ہے: اور مزار شریف میں آپ کا رونق افروز رہنا عقلاً نقلاً درست ہے۔ باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے بڑی جی داری کے ساتھ اس کو ((أحياء في قبورهم)) کے معارضے میں پیش کررہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان گم کردگان راہ کے پاس سوائے حضور کی عداوت کے مذہب کا کوئی واضح تصور نہیں۔ جہاں یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور کہیں بھی تشریف نہیں لے جاسکتے وہاں یہ عقیدہ بتادیا کہ اپنی قبر ہی میں رہتے ہیں۔ اور جہاں حیات انبیا کا انکار مقصود تھا وہاں ایک ضعیف حدیث کا مطلب یہ گڑھ لیا کہ زندہ رہنا تو بڑی بات، آپ قبر میں بھی نہیں رہتے۔ اور حدیث کے نقل کرنے میں یہ خیانت برتی کہ پوری حدیث بھی نقل نہ کی بلکہ صرف ((إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة)) تک ہی نقل کیا۔

بات ایک اور سیکڑوں اس کے جواب

ہم سے کچھ غیروں سے کچھ درباں سے کچھ

اس کے بعد علمانے حیات شہدا سے جو استشہاد کیا ہے اس پر فرماتے ہیں کہ عالم برزخ کا معاملہ قیاسی نہیں کہ حضور کی حیات شہدا کی حیات پر قیاس کرکے ثابت کی جائے، حضور کے لیے تصریح کے ساتھ: ﴿إنک میت﴾ وارد ہوا ہے، اور شہدا کے لیے ﴿بل أحياء عند ربهم يرزقون﴾ یوں ہی آپ کے نائب کا مقرر کیا جانا، آپ کا قبر میں موجود ہونا۔ آپ کی موت پر دلیل ہے۔

اس اندھی اور مجنونانہ بڑ کا بہت ہی معقول جواب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دے چکے ہیں کہ اگر یہ امور حضور کی موت پر دلیل ہیں تو کیا شہدا کی قبر نہیں بنائی گئی۔ غزوۂ موتہ میں حضور کے مقرر کردہ قائدوں کے بعد حضرت خالد ان کی جگہ مقرر کیے گئے، اور پھر کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں کہ حضور نے خود اپنی حیات پاک میں بارہا متعدد صحابہ کرام کو اپنا جانشین بنایا۔ کیا "معاذ اللہ" اتنی دیر کے لیے حضور مر گئے تھے۔ اگر یہ معارضہ معقول تھا تو صاف اقرار کرنا چاہیے تھا "لیکن، فاضل رحمانی" اس کو بالکل ہضم کرگئے اور نہ منہ سے پھوٹتے ہیں۔ نہ سر

خلاف ہے، اس لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تنقید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

....

سے کھیلتے ہیں۔

کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور کیا شفق نے کھلا دیا سیندور

عداوت مصطفیٰ کی حد ہو گئی

جب حیات مصطفیٰ ﷺ کا ذکر آتا ہے تو اس ''شپرہ چشم'' کو

﴿إنک میت﴾[الزمر: ۳۰] سوجھتا ہے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾[الأنبياء: س ۲۱۔ت ۳۵]

کا قاعدہ کلیہ یاد آتا ہے۔

لیکن حیات شہدا کے وقت:

﴿إنهم میتون﴾[الزمر: ۳۰]

نہیں سوجھتا، یاد کیا ہوا قاعدہ کلیہ بھول جاتا ہے۔تاکہ حضور ﷺ کو مردہ ثابت کیا جاسکے، ورنہ ان آیتوں سے جس طرح حضور ﷺ کو مردہ ثابت کیا جاسکتا ہے، اسی طرح شہدا کو (خاک بدہن گستاخ)

رہ گئی آیت: ﴿بل أحياء﴾ تو آپ کی اندھی عقل کی بنا پر ان آیتوں کے معارض اور اذا تعارضا تساقطا۔ دیکھا عداوت مصطفیٰ کا خمار، تمہارا اسماعیل شہید بھی مردہ ہو گیا۔

وہابی گرچہ اخفا می کند بغض نبی لیکن نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

یوں ہی حیات شہدا حیات برزخی کے بلند انعامات سے ہے، تو کیا انبیا ان انعامات سے محروم کر دیے گئے جو امتیوں کو حاصل ہیں، یہاں تک کہ انبیا کی برزخی زندگی بھی امتیوں سے پست کی کہ انبیا تو مردہ اور شہدا زندہ۔ حیرت ہے کہ فاضل رحمانی ہم کو ایسی بات سمجھاتے ہیں جو ایک بے وقوف نہیں کہہ سکتا۔

آپ کو حیات انبیا کے مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی، کیوں کہ دین وایمان کے ساتھ آپ کی عقل کا بھی دیوالیہ نکل گیا ہے۔ورنہ آپ کو خود اقرار ہے کہ دلیل صرف چار ہیں۔قرآن۔حدیث۔اجماع۔قیاس شرعی (تردید حاضر و ناظر ص ۳۹) یعنی اجماع کو آپ کہ

اس روایت میں جو محمد بن عبد الرحمٰن ہیں ان کا حافظہ کمزور ہے۔اور برتقدیر صحت حدیث کا مطلب یہ ہے: "لا یترکون لا یصلون إلا هذا المقدار".

یعنی صرف چالیس روز ہی ان کو اجازت ہوتی ہے کہ چاہیں تو نماز پڑھیں، اس کے بعد لذت وسرور کے لیے نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔اس طرح یہ حدیث احیاء فی قبورھم کے معارض نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دنیا کی طرح وہاں بھی نماز پڑھتے ہیں۔

خلاصہ:

ان حدیثوں سے یہ امر بخوبی روشن ہوگیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا بارگاہ الٰہی میں وہ بلند مقام ہے جس کے اوج عزت تک صنف انسانی کا کوئی فرد نہ پہونچ سکا۔وہ اسی بلند مقام پر اس وقت بھی نظر آتے ہیں جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہورہا تھا۔اور وہ منصب نبوت پر اس وقت بھی فائز نظر آتے ہیں جب ساری انسانیت حیات و وجود کی انگڑائی لینے کے لیے آمادہ ہورہی تھی۔

پھر جب وہ نور الٰہی لباس بشریت اوڑھ کر اس خاکدان عالم میں تشریف لایا تو اس خیال سے کہ کہیں کوتاہ اندیش:

....

دلیل شرعی مانتے ہیں،اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت است، یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت ﷺ بہ حقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دوائم وباقی اند(اقرب السبل وفتوح الغیب ص ۳۳)بندہ پرور اس صریح اجماع کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو اس مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی۔کتنی پرلطف ہٹ دھرمی ہے یہ آپ کی؟ آپ نے اس اجماع کا جواب دینے کا وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن آپ کا یہ وعدہ وعدۂ فردا بن کر رہ گیا۔آپ نے اس اجماع کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ہم کو بھی اعتبار نہ تھا۔

تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

حاشیہ ختم

﴿مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ [المؤمنون: س ۲۳۔ت ۳۳]،

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ﴾

[الفرقان: س ۲۵۔ت ۷]

کہہ کر اس کو اپنا بھائی بنا کر اس کے دامن عزت میں بٹہ لگانے کی مکروہ کوشش نہ کریں۔قدرت نے کچھ ایسی خصوصیات بھی مرحمت فرمائیں کہ معمولی انسان بھی اس کے علو مرتبت کا فیصلہ کر سکے۔اس طرح خدا کی دین سے وہ بے مثال تھا، بے مثال آیا، بے مثال رہا، اور جب اس دنیا سے تشریف لے گیا جب بھی بے مثال ہے، کہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ علم برزخ میں انعامات الٰہی کے مزے لے رہا ہے۔

پھر وہ ذات گرامی جس کو قدرت نے اتنا نوازا کہ وہ ہر بات جو ہمارے لیے غیر ممکن ہو، اس کے لیے ممکن بن جائے، اس کے لیے ہم اگر کوئی ایسا دعویٰ کریں جو اصول شرعی کے خلاف نہ ہو اور شایان شان مصطفیٰ ﷺ ہو تو کیا صرف اس وجہ سے کہ وہ ہماری کمزور عقل کے نزدیک مستبعد ہے، اس کا انکار کر سکتے ہیں؟ اس کی کون سی بات تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے، تم دیکھتے نہیں کہ وہ محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء امی ہونے کے باوجود جب بولتا ہے تو ایسا بولتا ہے کہ سارا عالم اس کے آگے خاموش ہو جاتا ہے۔

امی و گویا بہ زبان فصیح ازالف آدم و سیم مسیح

امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

اور نہ صرف خود بولتا ہے، بلکہ بے زبانوں کو متکلم، بے جانوں کو صاحب حیات، محکوموں کو فرماں روائے عالم اور صاحب رموز و اسرار بناتا چلا جاتا ہے، اور پھر اس معجزانہ انداز میں کہ اہل عالم آج بھی متحیر و پریشان ہیں کہ کیوں ہوا۔اور کیوں کر ہوا۔

اس لیے اس کی ذات گرامی کی طرف اگر کوئی منصب رفیع منسوب ہے تو صرف اس وجہ سے ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے، کہ وہ ہماری ناقص عقل میں مستبعد ہے۔یا عام انسانوں کے لیے اس کا ثبوت نہیں ہے، ہاں یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول کے معارض تو نہیں؟ اور اس سراپا اعجاز ذات کی خصوصیات سے بحث کرتے وقت یہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی بلند مقامی میں ہر انسان سے بلند ہے، اس لیے اس کی جانچ کا پیمانہ عام انسانوں سے بلند ہونا

چاہیے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہیں سے ''فاضل رحمانی'' کے ان تمام مزخرفات کا جواب بھی ہوگیا، جو انہوں نے ''مسئلہ حاضر و ناظر'' پر عقلی گرفت وغیرہ کے عنوان سے کیے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور تمام مرنے والوں کی قبر میں موجود ہیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اول: یہ کہ آپ ایک سکنڈ بھی روضۂ اطہر میں آرام نہ فرمائیں۔ جس سے آپ کو تنگی میں چھوڑنا لازم آتا ہے۔ کیوں کہ کوئی ذمہ دار مسلسل دورے میں نہیں رہ سکتا۔ دوم یہ کہ حضور کی زندگی میں بھی لاتعداد مردے دفن کیے گئے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آپ زندہ درگور ہیں۔

فاضل رحمانی کی اس سادہ لوحی پر یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ فاضل ہیں تو ضرور، لیکن فضیلت سے نہیں بلکہ فضلہ سے۔ ورنہ اتنی سی بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ بات کسی ڈپٹی کلکٹر کی نہیں اس ذات کی ہے کو سر تا پا معجزہ ہے۔ ورنہ اس نامعقول دلیل اور ناجائز خیر خواہی سے حضور کی ہر ایک فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس خبر کو بھی کہ آپ رات رات بھر عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے، اور شق ہو جایا کرتے تھے، یہی کہہ کر رد کیا جاسکتا ہے، کہ حضور ضیق اور تنگی میں پڑیں اور جو کوئی اس حدیث کو پڑھ کر حضور کی فضیلت ثابت کرے۔ وہی شعر پڑھ کر اس کا جواب دے دے کہ:۔

بلا سے ان کی ادا کوئی بدگماں ہو جائے　　کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا

''فاضل رحمانی'' ایجاد و تحقیق کی ایسی نئی راہیں اکثر نکالتے رہتے ہیں جو نہ تو ان کے کسی بڑے نے نکالیں نہ چھوٹے نے، ان کی بات ہی اور ہے۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا　　پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا

اور اگر اس ضیق اور تنگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شی کا بیک وقت چند جگہ ہونا عقلاً ناممکن ہے، جب بھی مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت بے خبری ہے، کیوں کہ تمہاری عقل کب باور کرتی ہے کہ پسینہ عطر سے زیادہ خوش بودار ہو، لیکن یہ حقیقت بہت روشن ہے کہ لوگ آپ کے پسینہ سے عطر بساتے تھے، پھر جس طرح عقل کے باور نہ کرنے کے باوجود تم کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے، یہاں کیوں عقلی پکچر گاتے ہو۔ علاوہ ازیں ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

عام قبروں میں جلوہ فرما ہوتے ہیں، اس وقت روضۂ انور یا کسی اور جگہ نہ ہوں، بس یوں سمجھو کہ سرکار ابد قرار ﷺ کے لیے ان کے قادر و توانا خدا نے مسافت زمان و مکان ہیچ کر دیا ہے، اور قدرت جب کسی کو اپنے حبیب کا دیدار کرانا چاہتی ہے تو دنیائے ہست و بود کے مادی حجابات اٹھا دیتی ہے، وہ شخص اپنے پاس ہی حضور کو موجود پاتا ہے۔

در راہ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

معنیٰ حاضر و ناظر کا شرعی وقوع: یہ اصول طے ہو جانے کے بعد کہ فضائل محمد رسول اللہ ﷺ میں بجائے عقلی دخل دینے کے یہ دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول بھی اسے جائز رکھتا ہے یا نہیں، یہ ضروری ہو گیا ہے کہ یہ دیکھا جائے مسئلہ ''حاضر و ناظر'' کا بھی شرعی امکان ہے یا نہیں؟ (معنیٰ کی تشریح آگے آرہی ہے) تو نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت علیہ السلام ہر مرنے والے کے پاس جاتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿قل یتوفکم ملک الموت الذي وکل بکم﴾[1]
تم کو ملک الموت وفات دیتے ہیں جو تم پر مقرر کیے گئے۔

....

(۱) فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ ملک الموت ہر ہر مردے کے پاس نہیں جاتے ہیں۔ یہ بھی ان کے پاگل دماغ کی اُپج ہے؛ کیوں کہ ان کا مستدل قرآن کی آیت ﴿والنازعات غرقاً﴾ ہے، اس میں نازعات جمع ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ جان نکالنے والے کئی ایک ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ کہیں ملک الموت خود چلے جاتے ہوں گے، اور کہیں کسی مددگار کو بھیج دیتے ہوں گے، اس طرح ان کا کام رات دن چلتا رہتا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس علم و یقین کی دولت نہ ہو وہ اسی طرح ظن و تخمین کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔ اس سلسلہ میں عطر تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں قبض ارواح سے متعلق تین آیتیں ہیں:

﴿قُلْ یَتَوَفّٰکُم مَّلَکُ الْمَوْتِ﴾ [السجدۃ: س ۳۲۔ ت ۱۱]

براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"قال رسول الله ﷺ :إذا كان العبد المؤمن في انقطاع من الدنيا وإقبال من الأخرة، نزل عليه الملائكة من السماء بيض الوجوه، كأن وجوههم الشمس، معهم كفن من أكفان الجنة، حتى يجلسونه مدالبصر، ثم يجيء ملك الموت ـ عليه السلام ـ حتى يجلس عند رأسه، فيقول: أيهاالنفس المطمئنة ! أخرجي ، وكذا في الكافر، إلا أنه قال: سود الوجوه، معهم المسوم بدل بيض الوجوه، وأكفان الجنة والنفس الخبيثة بدل الطيبة."

[مشکوۃ شریف ص:۱۴۲]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جب بندہ مومن اس دار فانی سے کوچ کرتا ہے اور

....

﴿توَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾[الأنعام:س ٦ـ ت ٢١]

﴿ الله يتوفى الأنفس[الزمر:س ٣٩ـ ت ٤٢]﴾

جن میں باہم تطبیق یہ ہے کہ اللہ حکم دینے والا فاعل حقیقی ہے، ملک الموت مرنے والے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: أخرج أيها النفس. (اے جان نکل) دیگر اعوان و مددگار روح کو ہاتھوں ہاتھ اس کے مقام تک لے جاتے ہیں۔ یارو مددگار سارے جسم سے روح کھینچ کر حلقوم کے پاس کر دیتے ہیں اور ملک الموت قبض کر لیتے ہیں۔ یہ مضمون مدارک التنزیل، شرح اسرار قبور، مشارق الانوار میں ہے۔ اور ایسا ہی مشکاۃ شریف کی اس طویل حدیث میں ہے جو براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، جس سے پتہ چلا کہ ہر ہر مردے کی قبض روح میں خدا، ملک الموت اور اعوان سب کو دخل ہے، کوئی امر، کوئی مامور، کوئی مددگار، لیکن بے ایمانی اور جہالت کا برا ہو کہ فاضل رحمانی انہیں کا سہارا لے کر وہ سب کچھ بک جاتے ہیں جو ایک مسلمان کو نہ کہنا چاہیے۔ فاضل رحمانی کے ترنگ کا کیا کہنا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حاشیہ ختم

دار آخرت کی طرف رخ کرنے کو ہوتا ہے، تو آسمان سے فرشتے نورانی صورت والے اپنے ساتھ جنت کا کفن لیے آتے ہیں اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ! اپنے بدن خاکی سے نکل۔ کافروں کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا، صرف یہ الفاظ بدلے ہوئے تھے: ''سود الوجوه، معهم المسوم، النفس الخبيثة.

منکر نکیر بھی ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں:

''عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن العبد إذا وضع في قبره وتولىٰ عنه أصحابه أنه يسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فيُقعدانه، وكذا عن أبى هريرة.'' [مشکوٰۃ شریف ص:۲۴]

حضرت انس سرور عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ مردے کو قبر میں رکھ کر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کے پیروں کی چاپ سنتا ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ملک الموت اور منکر نکیر ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔ اور ساری دنیا میں بیک وقت کتنی روحیں قبض کی جاتی ہیں، اسی لیے ملک الموت اور منکر نکیر کا بیک وقت چند جگہ ہونا ثابت ہوا۔ اور جب شریعت میں غیر خدا کے لیے اس معنی کا ثبوت ہوا تو پھر حضور کے ساتھ اس کی نسبت کرنے میں کیا قباحت لازم آئے گی۔ جس طرح اور بہت سے ناممکنات حضور کے لیے ممکن بنا دیے گیے، یہ بھی سہی۔ بشرطے کہ قرآن وحدیث کی عبارت سے اس کا ثبوت ہوتا ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی مخالف کے اس ہذیان کے جواب میں کہ حضور کو ''حاضر وناظر'' ماننا شرک ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت ملک الموت کے لیے ہے، منکر نکیر بیک وقت کتنی کتنی قبروں میں حاضر ہوتے ہیں، یا شیطان بھی ایک ہی وقت میں مختلف ممالک کے بے شمار لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ یا براہ راست کوئی ایسی دلیل دی جاسکتی ہے جس سے ہمارے مدعا سے کم ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ہم سارے ملک میں آپ کے حضور کے قائل اور دلیل

سے صرف زمین کا حضور ثابت ہوتا ہے تو مخالفین جامے سے باہر ہو کر جواب دیتے ہیں ''دعوے عام دلیل خاص'' اس لیے یہ استدلال پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ لیکن ان رٹو کے ٹٹوؤں کو کون بتائے کہ کوئی قاعدہ یاد کر لینا اور بات ہے، اور اس کا سلیقہ سے برتنا اور بات ہے، دریں چہ شک تو ایک طوطی بھی یاد کر لیتی ہے، لیکن اسے اس سے کیا فائدہ۔؟ اسی طرح مخالفین نے بھی کہیں سے دعویٰ عام دلیل خاص کیا سن لیا ہے کہ ہلدی کی گانٹھ پالی ہے اور اب پنساری بنے گھوم رہے ہیں۔ ورنہ جہالت کا خمار نہ ہو تو یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ مسئلہ ''حاضر وناظر'' کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ فی نفسہ ایک چیز بیک وقت چند جگہ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ دوسرا اگر یہ تعدد ممکن ہے تو اس کی مقدار اور حد کیا۔ اور حضور ﷺ کے لیے اس کا ثبوت کتنا ہے؟ اس قسم کے تمام دلائل ونظائر سے مثبتین کو یہی ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ تعدد فی نفسہ جائز ہے، اور جب ایک چیز کا بیک وقت دو جگہ ہونا ممکن ہے تو دو چار، دس بیس بلکہ ہزار جگہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس کا ثبوت تو طلب کیا جا سکتا ہے کہ اس تعدد کی انتہا کیا ہے، لیکن اس میں بحث کی قطعاً گنجائش نہیں، کہ یہ عقلاً ممکن ہے یا نہیں جب کہ شریعت میں غیر خدا کے لیے اس کا وقوع ثابت ہے، چہ جائے کہ اس کو شرک بتایا جائے۔

اس لیے ''حاضر وناظر'' ہونے کے ثبوت میں اگر کوئی حدیث پیش کی جائے تو اس کو اپنے ظاہری معنی سے محض اس لیے نہیں پھیرا جا سکتا، کہ ہماری عقل میں نہیں آرہا ہے۔

پوری بحث ایک نظر میں:

گزشتہ اوراق سے بحث کی پوری پوزیشن واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ جن کو خدائے ذوالجلال نے ہمیشہ نوازا، اگر خداوند قدوس ان کو بیک وقت متعدد جگہ حاضر کر دے، اور کائنات ان کی نگاہ حقیقت بیں پر روشن فرما دے، تو نہ خالق اس سے عاجز، نہ اس کا محبوب اس منصب رفیع کا نااہل۔ پھر اس سے نہ تو خدا کی خدائی میں کچھ کمی لازم آتی ہے، نہ ایسا مان لینے سے حقوق الٰہی میں ہی دست اندازی ہوتی ہے کہ شرک کی طرف رہنمائی کرے، کیوں کہ بیک وقت چند جگہ حاضر ہونا اور بہت ساری جگہوں کا پیش نظر رکھنا، ملک الموت کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کو وہ رات دن بجالاتے ہیں، پھر رسول کے لیے اس کا ثبوت کیوں کر شرک ہو سکتا ہے۔

ہاں اس شرعی امکان کے بعد یہ ذمہ داری ضرور ہمارے سر ہے کہ ہم دلائل سے بھی یہ

بات ثابت کردیں کہ حضور ''حاضر وناظر'' ہیں اور یہ بھی بتائیں کہ یہ حضور اپنے کیف وکم میں کیسا ہے، جس سے عہدہ برا ہونے کی کوشش ہم آیندہ صفحات میں کریں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مسئلہ عقائد سے ہرگز نہیں کہ اس کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہو، بلکہ باب فضائل محمد رسول اللہ سے ہے، اس لیے اس کا ثبوت اخبار آحاد یا متعدد احتمال رکھنے والی آیتوں سے بھی ہوسکتا ہے۔

معنی حاضر وناظر:

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ان الفاظ میں معنی ''حاضر وناظر'' کو بیان کیا ہے:
عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں: کہ

(۱) قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمامی عالم کو اپنے کفِ دست کی طرح دیکھتا ہے اور دور وقریب کی آواز سنتا ہے۔

(۲) یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتا ہے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتا ہے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ۔ یا اس جسم کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہے، یا کسی جگہ موجود ہے۔ (خیر الانبیاء:۸)

اس عبارت کے دو جز ہیں:

(۱) سرکار دو عالم ﷺ ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور خالق دو عالم نے جس طرح بارہا آپ کے لیے عالم ہست وبود کے حدود وتعینات، مسافت زمان ومکان کو پارہ پارہ کردیا ہے، یوں ہی عالم مادیات اور ملاء اعلیٰ حجابات کو اس نے جب جب چاہا اٹھاتا رہا۔ یہاں تک کہ نگہ عالم سے نہاں ہونے کے وقت پر انکشاف بھی کامل ہوگیا اور اب یہ حال ہے:

كالشمس في وسط السماء ونورها   يغشي البلاد مشارقاً ومغارباً
والقمر من حيث التفت رائيته   يعطيك في عينيك نوراً ثاقباً

آفتاب وماہتاب کی طرح آپ ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور سارا عالم آپ کے پیش نظر ہے اور خدا جس کسی کو چاہتا ہے حجابات اٹھا کر اپنے حبیب کی طلعت زیبا دکھا دیتا ہے۔

(۲) یا آپ کبھی کبھی (جیسا کہ لفظ سیر کرنے سے ظاہر ہے) سارے عالم میں بیک وقت کہیں قوت روحانی کے ساتھ، کہیں جسم مثالی کے ساتھ، کہیں جسم اطہر کے ساتھ موجود

ہوجاتے ہیں، اور بے کسوں کی دست گیری فرماتے ہیں، جیسا کہ یہ رفتار خواہ جسم مثالی کے ساتھ، خواہ صرف روحانی، یا اس جسم کے ساتھ جو قبرانور میں موجود ہے، کہ قضیہ مانعۃ الخلو سے ظاہر ہے۔

حاضر ناظر اور علمائے سلف:

اور یہ خیال کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ صدیوں پہلے کے علمائے اسلام نے اس کی تشریح وتصریح کردی ہے، جیسا کہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنے رسالہ میں شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ودیگر علماء کے اقوال سے ثابت کیا ہے، کہ کسی حیثیت سے بھی وہ حضرات اس کو بیان فرماتے ہیں، اور اس پر کوئی رد نہیں کرتے بلکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو خاص اس مبحث میں ایک کتاب ''تنویر الحلک'' تصنیف فرمائی اور تصریح کی:

''وقد تحصل من هذا النقول والأحاديث أن النبي ﷺ حي بروحه وجسده، وأنه يتصرف حيث شاء في أقطار الأرض، وفي الملكوت، هو بهيئته كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء، وأنه يغيب عن الأبصار كما غيبت الملائكة مع كونهم أحياء بأجسادهم، فإذا أراد الله رفع الحجاب عمن أراد كرامة برويته، وتواترت به الأخبار. (ملخصاً)

ان منقولات اور احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں، اور آسمان وزمین میں جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں، اور آں حضرت ﷺ اپنی اسی حالت پر ہیں جیسا کہ وفات سے پہلے تھے، اور آپ نگاہوں سے ایسے پوشیدہ ہوگئے ہیں جس طرح ملائکہ، حالاں کہ وہ بھی تو اپنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ پس اللہ جس بندے کو حضور کی رویت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے، حجاب اٹھادیتا ہے، اور خبریں اس بارے میں تواتر تک پہونچ گئی ہیں۔

اور شیخ امام علامہ نورالدین حلبی اپنے رسالہ 'تعریف اهل الاسلام بأن محمدا لا يخلو منه زمان ولامكان'' میں فرماتے ہیں:

والـذي أراه أن جسده الشريفة لا يخلو منه زمان ولا مكان، ولا محل ولاامكـان، ولا عرش ولا لوح، ولا كرسي ولا قلم، ولا بر ولا بحر، ولا سهل ولا وعـر، ولا بـرزخ ولا قبـر، كـما أشرنا إليه أيضاً أنه امتلاء الكون الأعلىٰ به كمـا امتـلاء الـكون الأسفل، و كامتلاء قبره به، فجسده مقيماًفي قبره،وطائفاً حول البيت، وقائماً بين يدى ربه لأداء خدمة."

[جواهر البحار جلد اول ص:۴۸۳]

میرا (ذاتی) خیال تو یہ ہے کہ حضور کے جسد اطہر سے نہ تو زمان خالی ہے نہ مکان، نہ محل نہ امکان، نہ عرش نہ لوح، نہ کرسی نہ قلم، نہ بحر نہ بر، نہ نرم زمین نہ سخت، نہ برزخ نہ قبر، اس کی طرف ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں، نیز آپ نے کائنات کو بھر دیا ہے، اعلیٰ کو بھی، ادنیٰ کو بھی، اور قبر کو بھی، یہی وجہ ہے کہ آپ قبر انور میں بھی رونق افروز نہیں بیت اللہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور اپنے رب کے حضور ادائے عبادت کے لیے مصروف ہیں۔

جس سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا مطلب صرف یہ تھا کہ علمائے اسلام میں کوئی حضور کی موجودگی مساجد میں، کوئی اہل اسلام کے گھروں میں، کوئی ذوات مصلین میں، کوئی ساری کائنات میں تصریح کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جس کا مطلب صاف یہی ہوا کہ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں، اور اس کے ماننے والے صرف ہم ہی نہیں، جیسا کہ آج کل غیر مقلدین اڑاتے رہتے ہیں۔ نیز اپنے مخالف سے یہ کہنا تھا کہ جان برادر اپنی کفری اور شرکی مشین کا رخ ذرا بزرگان دین کی طرف بھی کر دو تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام کو کافر و مشرک بنانے والے کون ہیں، اور آپ کا پیش کردہ شعر خود آپ کی ہی ترجمانی کرنے لگے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ورنہ اپنے نشانہ کو پھر سے درست کیجیے اور ہم کو کہنے دیجیے۔

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دل گیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

مگر ہمارے فاضل رحمانی یہاں پہونچ کر کچھ ایسا جامے سے باہر ہو گئے ہیں کہ ساری

امت مسلمہ کو۔ توام ڈالا۔ کہ ہم پر نہ تو کسی اہل حدیث کا قول حجت ہے نہ آپ کا اور آپ کے بڑوں کا (یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قاضی عیاض، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جلال الدین سیوطی اور انہیں جیسے سیکڑوں بزرگ جو دین کا ستون ہیں فاضل رحمانی کے بڑے نہیں صرف ہمارے بڑے ہیں، ہم بھی تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا مذہب بزرگوں کے دین کے خلاف ہے، اچھا ہوا کہ فاضل رحمانی نے خود اقرار کرلیا، :ع: مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری) آپ شوق سے ان کے اقوال کو سند مت مانیے مگر اتنا تو تسلیم ہی کریں گے کہ آپ کی مشق ستم کی زد میں نہ صرف ہم بلکہ وہ مقدس نفوس بھی ہیں جن کا نام لے کر بسا اوقات آپ بھی حدیث پڑھتے ہیں اور شاعر کے الفاظ میں:

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی　　　　مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

کا عالم ہے۔

اقوال کی بحث:

''فاضل رحمانی'' نے ہر ہر قول کے متعلق خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہنا فضیلت تصور کیا ہے، اور کچھ نہیں تو صرف یہی کہ دعوے عام اور دلیل خاص، اور کہیں یہ کہ یہ صاحب حاطب اللیل ہیں، اس لیے ان کی بات نامعقول، کہیں صرف اتنی بات سے کام چلایا ہے کہ ہم اس کو نہیں مانتے اور اخیر میں بڑے طمطراق سے چند تردیدی عبارتیں نقل کی ہیں، چوں کہ ہم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کے پیش کردہ اقوال کے ساتھ فاضل رحمانی کی دسیسہ کاریوں کا راز فاش کر کے کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے، کیوں کہ ہم سب ثابت کر دیں، جب بھی فاضل رحمانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے، کوئی حدیث لاؤ، اس لیے صرف تردیدی اقوال سے کچھ تعرض کرتے ہیں۔

فاضل رحمانی نے پوری کتاب میں سات عبارتیں تحریر کی ہیں، جن میں کسی میں نکاح کے وقت رسول اور فرشتہ کے گواہ بنانے کو کفر کہا ہے، اور کسی میں عالم غیب اور حاضر و ناظر سمجھنے کو شرک بتایا ہے۔ ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے حاضر و ناظر کا قول یا کفر ہے یا شرک، لیکن برا ہو ہٹ دھرمی کا جس نے فاضل رحمانی کو تلبیس و مکاری کا فن کار بنا دیا۔ سب سے پہلی تلبیس تو فاضل رحمانی نے یہ کی ہے کہ حوالہ میں اتنا اجمال رکھا ہے کہ حتی الامکان مخالف صحیح عبارت کا مقابلہ اصل کتاب سے نہ کر سکے تاکہ یہ فریب مستمر جاری رہے۔

فتاویٰ بزازیہ ہمارے پاس تین جلدوں میں موجود ہے، لیکن اتنی طویل کتاب کے لیے حوالہ میں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ یوں ہی ملا حسین خباز اور ان کی کتاب مفتاح القلوب دونوں غیر معروف ہیں، اسی طرح توشیح اور تحفہ وغیرہ کو مہمل چھوڑ دیا ہے، اور بڑی جی داری سے ان عبارتوں کو ان مشاہیر علمائے اسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جن کا نام لے دینا ہی صداقت و دیانت کی ضمانت ہے، بہر حال اولاً آپ نے اقوال اور ان کے حوالہ میں انتہائی چالاکی سے کام لیا ہے، اور اگر تمام عبارتوں اور حوالوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم کو مضر نہیں، کیوں کہ ایسے اقوال و فتاویٰ کی تشریحات اور ان کا صحیح محمل علمائے احناف ۔ کثرھم اللہ ۔ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، جو فتاویٰ بزازیہ اور قاضی خاں سب پر جاری ہے، یہ آپ کی اندھی نگاہوں کا قصور ہے کہ آپ ہمارے مذہب سے بے خبر ہو کر ہمارے ہی ہتھیاروں سے ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اور اس بے سروسامانی کو ہی اپنا ساز وسامان سمجھتے ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسد　　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

علامہ ابن عابدین المعروف بہ شامی ''سل الحسامی الہندی'' ص ۳۱۱ میں فرماتے ہیں:

''ذكر في جامع الفصولين مسئلة في الفارسية: حاصلها لو تزوجها بلا شهود وقال: الله وملائكة أو رسول يشهدان أنه يكفر، لأنه اعتقد أن الرسول والملك يعلم الغيب، ثم أشكل ذلك بما أخبره النبي ﷺ من المغيبات، وكذا ما أخبره به عمر وجماعة من السلف، ثم أجاب بأنه يمكن توفيق بأن المنفي هو العلم بالاستقلال لا العلم بالإعلام.

جامع الفصولین میں ایک مسئلہ فارسی میں ذکر ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ خدا اور رسول یا فرشتہ گواہ ہیں تو کفر ہو گیا، کیوں کہ اس نے رسول اور فرشتوں کے بارے میں اعتقاد کیا کہ وہ ''غیب'' جانتے ہیں، لیکن اس پر یہ مشکل ہے کہ حضور نے غیب کی خبر دی اور حضرت عمر اور سلف کی ایک جماعت نے بھی، پھر خود ہی اس اشکال کا جواب دیتے ہیں، دونوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے جن آیتوں میں علم کی نفی ہے اس کا مطلب بالاستقلال علم ہے اور جس کی خبر انبیا نے دی وہ باعلام الٰہی تھا۔

اس کے صفحہ ۳۱۲ میں فرماتے ہیں:

”وسئل في الفتاویٰ الحدیثیة یکشف له عن اللوح المحفوظ حتی یراہ، یکفي بذلک ما أخبرہ القرآن عن الخضر“.

فتاویٰ حدیثیہ میں ہے جس نے کہا کہ مومن دیکھتا ہے، اورلوح محفوظ کو دیکھ لیتا ہے اور اس میں وہی کافی ہے جس کی خبر قرآن نے حضرت خضر علیہ السلام کو دی۔

پہلی عبارت سے پتہ چلا کہ رسول اور فرشتوں کی گواہی میں دو احتمال ہیں:

(۱) رسول وملک بذات خود جانتے ہیں یا

(۲) باعلام الٰہی۔

اور کفر کا فتویٰ اسی وقت صحیح ہوگا جب علم بذات خود کا عقیدہ رکھا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ تمام اقوال اور فتاویٰ جہاں ملک اور رسول کی گواہی یا اعتقاد علم غیب پر کفر کا قول کیا گیا ہے، (خواہ فتاویٰ قاضی خاں، یا بزازیہ، یا مالا بد منہ، میں ہو یا کسی دوسری جگہ ہو) وہاں یہ دو احتمال نکل سکتے ہیں۔ اور ”سل الحسام“ کی دوسری عبارت یہ بتاتی ہے جس عبارت میں احتمال ہو وہاں مطلقاً کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ تفصیل طلب کی جائے گی اور پوچھا جائے گا کہ وہی کفری معنی مراد ہیں یا نہیں، اگر کفری معنی سے انکار کرے تو تیسری عبارت کی رو سے اس کو ہرگز ہرگز کافر نہیں کہا جائے گا، وہ ساتوں عبارتیں جنہیں فاضل رحمانی نے نقل کی ہیں ان سب میں یہ دو احتمال نکل سکتے ہیں، کہ بعطائے الٰہی یا بذات خود۔ اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کے مطابق پہلی شق پر کفر کا فتویٰ صحیح نہیں، اور دوسری شق پر درست اور صحیح لیکن یہ ہم کو قطعاً مضر نہیں کیوں کہ ہم بعطائے الٰہی کے قائل ہیں، اور اگر ان عبارتوں کا مطلب مطلقاً فتویٰ کفر ہے جیسا فاضل رحمانی کا خیال ہے تو یہ علمائے حنفیہ کا فتویٰ نہیں، بلکہ ضعیف قول ہے، جیسا کہ: معدن الحقائق، خزانۃ الروایۃ، وغیرہ اکثر کتب فقہ میں آیا:

”عمن قال: إن المؤمن یعلم الغیب، هل یکفر ولا یتبین، أو یفصل لجواز العلم بجزئیات الغیب، فأجاب بقوله: لا یطلق تکفیرہ؛ لاحتمال کلامه، ومن تکلم بما یحتمل کفر وغیرہ وجب استفصاله، کما في الروضة وغیرها.

اس کے بارے میں سوال ہوا کہ یہ کہتا ہے کہ مومن غیب جانتا ہے، آیا کافر ہوگیا۔ یا

اس سے سوال کیا جائے گا کہ تیری مراد اس سے کیا ہے، کیوں کہ بعض غیوب کا علم تو ممکن ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ اس کے کلام میں احتمال ہے، اور جس نے ایسا کلام کیا جس میں کفر وغیر کفر دونوں کا احتمال ہو تو تفصیل کی جائے گی۔

پھر چودہ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

''ومتی استفصل فقال: أردت بقولي: المؤمن يعلم الغيب، إن بعض أولياء الله قد يعلمه الله ببعض المغيبات قبل ذلک؛ لأنه جائز عقلاً وواقع نقلاً، إذهو من جملة الكرامات الخارجة عن الحصر على ممر الأعصار، فبعضهم يعلمه بخطاب، وبعضهم يعلمه بكشف حجاب، وبعضهم برفع حجاب اللوح والصحيح أنه لا يكفر؛ لأن الأنبياء ـعليهم السلام ـ يعلمون الغيب ، ويعرض عليهم الأشياء فلا يكون كفراً.''

اور تفصیل طلب کرنے پر اس نے کہا کہ میرے اس قول ''مومن غیب جانتا ہے'' سے میرا مطلب یہ تھا کہ بعض اولیاء اللہ کو خدا نے بعض غیوب کی خبر دی ہے تو یہ مان لیا جائے گا، کیوں کہ یہ عقلاً بھی جائز ہے، اور نقلاً واقع ہے، کیوں کہ یہ تو ان بے شمار کرامتوں میں سے ہے جس کا احصا ممکن ہی نہیں، بعض کو خدا مخاطب کر کے بتا دیتا ہے، بعض کو کشف حجاب کر کے اور بعض کے لیے لوح محفوظ کا پردہ اٹھا دیتا ہے، صحیح یہ ہے کہ کفر نہ ہوگا، اس لیے کہ انبیا علیہم السلام غیب جانتے ہیں، اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں لہذا کفر نہیں۔

آپ ہماری فقہی مسائل سے متعلق کتابوں سے ہم کو الزام نہیں دے سکتے، کیوں کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ مسائل کی کتابوں میں راجح مرجوح، مفتی بہ اور غیر مفتی بہ ہر قسم کے اقوال ہوتے ہیں، اور جب تک صحت کے ساتھ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ قول مفتی بہ ہے، اس کے ساتھ فتویٰ دینا ضرور جہالت ہے، جیسا کہ درمختار میں اس کی تصریح ہے، اور آپ اور آپ کے مولوی عبد الرزاق ضرور جاہل ہوئے، رہے علمائے احناف تو اللہ کے فضل سے علم باعلام، اور علم بالاستقلال کے فرق کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان کو یہ فتویٰ قطعاً مضر نہیں، اور اس سلسلے میں آپ کی ساری لاف وگزاف بے معنی ہے۔

باخرابات نشیناں ز کرامات ملاف ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

حاضر وناظر اور فاضل رحمانی:

گزشتہ اوراق میں مسئلہ حاضر وناظر کے متعلق ہمارے خیالات کافی وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں، اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ یہ مسئلہ کوئی بنیادی عقیدہ نہیں ہے، لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین حضور ﷺ کو حاضر وناظر نہ ماننا ہی اپنا بنیادی عقیدہ مانتے ہیں، اور عقیدہ خواہ ایجابی ہو یا سلبی ہر ایک کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جس طرح ہمارے ذمہ حاضر وناظر ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہے، اگر چہ عقیدہ قطعی نہ ہونے کے سبب دلیل ظنی ہی سے کام چل جائے گا، اسی طرح ہمارے مقابل کے لیے بھی جدید دلیل کی ضرورت ہے، صرف ہمارے دلائل کی تردید کافی نہیں، کیوں کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک باب عقائد سے ہے، غالباً ہمارے مخالف اس نکتہ سے واقف تھے، اس لیے انہوں نے بھی حاضر وناظر نہ ہونے پر دلیل پیش کی ہے، لیکن پوری بحث جو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب اور فاضل رحمانی میں چل رہی ہے، اگر تجزیہ کیا جائے تو صرف ایک دلیل ایسی ملے گی، جس کو فاضل رحمانی نے حاضر وناظر نہ ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، باقی سارا طومار ہمارے دلائل کے مقابلہ میں ہے، حالاں کہ بفرض محال اگر ہم یہ ثابت نہ بھی کر سکیں جب بھی جب تک مخالف حاضر وناظر نہ ہونا ثابت نہ کر دے، اس کو کچھ بھی مفید نہیں۔

اب ہم فاضل رحمانی کی اس اکلوتی دلیل پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم سے دلیل قطعی کے طالب خود کتنی لچر دلیل پر اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾[ق:س ۵۰۔ت ۱۶]

اور

﴿هُوَ اللّٰهُ فِيْ السَّمٰوَاتِ وَفِيْ الْأَرْض﴾[الأنعام:س ۶۔ت ۳]

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ ارشاد ہے: ﴿لیس کمثله شيء﴾ اس کے مثل کوئی شی نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اللہ کے ہر جگہ موجود ہونے میں بھی کوئی اس کے مثل نہ ہو۔ (انتہی ملخصاً)

اس پر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک معارضہ فرمایا:
اگر قرآن کی آیتوں کا یوں ہی مذاق کیا جا سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِيْر.﴾ اللہ ہی سمیع و بصیر ہے۔
اب اس کے ساتھ ﴿ليس كمثله شيء﴾ والی آیت ملا لو، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفت سمع و بصر کا بھی کسی غیر خدا پر اطلاق نہ ہو، اور جو اطلاق کرے وہ مشرک، حالاں کہ قرآن میں انسان کے لیے سمیع و بصیر کا لفظ آیا ہوا ہے: ﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعاً بَصِيْراً﴾ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا، تو کیا معاذ اللہ قرآن خود مشرک۔ (ملخصاً)
جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہاں صرف لفظی اشتراک سے شرک ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اور خدا کے سمیع و بصیر ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح خدا کے حاضر و ناظر ہونے میں اور رسول کے حاضر و ناظر ہونے میں بھی بون بعید ہے۔ لہذا شرک ثابت نہ ہوگا۔ لیکن فاضل رحمانی حضرت مولانا کی اس چوٹ سے ایسا بوکھلا گیے ہیں، ساری نحو، پوری منطق اور علم کلام انڈیل دیا ہے، جب کہیں گالی وغیرہ دے کر ٹھنڈے ہوے ہیں، اور کہا وہی جو حضرت مولانا کہلانا چاہتے ہیں، اس سادہ لوح کو اس چرکے کا احساس نہ ہوا، جس کا منشا صرف یہ تھا:

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ۔۔۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

ہم نے سنا کہ فاضل رحمانی کی اس طولانی تقریر کے جواب میں حضرت مولانا ایک شعر پڑھ رہے تھے:

لاے اس بت کو التجا کر کے ۔۔۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

چناں چہ اس معارضہ کے جواب میں ایک طویل تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:
(۱) اللہ ہمیشہ سے سمیع و بصیر ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اور انسان ایک محدود مدت تک۔
(۲) انسان خدا کے بنانے سے سمیع و بصیر ہے، اور خدا خود بخود۔
(۳) ہمارے سمع و بصر کی کیفیت معلوم ہے، اور خدا کی مجہول۔
ان تین تین فرقوں کے باوجود کون بے وقوف ہوگا جو خدا اور بندے کو سمع و بصر میں شریک مانے گا۔

یہاں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کو حضور سے عداوت ہے، ورنہ یہ کیا وجہ ہے کہ جب خود اپنی سماعت و بصارت معرض خطر میں آتی ہے تو طرح طرح کی تاویلیں سوجھتی ہیں اور بے شمار فرق نظر آتے ہیں، لیکن حضور کی کسی صفت کے بارے میں بغیر کسی تاویل کے شرک و کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ حضور جان نور ﷺ کے بارے میں بھی یہی باتیں کہی جا سکتی ہیں، کہ حضور کا حاضر و ناظر ہونا خدا کی دین سے ہے اور خدا کا خود اپنا، حضور کا حاضر و ناظر ہونا ایک خاص مدت سے ہے، اور خدا کے لیے کوئی حد نہیں، ورق الٹ کر حضور کے لیے حاضر و ناظر کے معنی دیکھ لیجیے، کیا جسم مثالی، یا روح، یا جسم حقیقی کے ساتھ سیر کرنا خدا کی صفت خاصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عداوت ان تیرہ بختوں سے یہ سب کچھ کرا رہی ہے:

ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

مسئلہ حاضر و ناظر اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب:

رسالہ "خیر الانبیاء" میں رسول کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے ثبوت میں کئی آیتیں اور متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں، جس سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا منشا صرف یہ تھا کہ ان تمام نصوص کے پیش کر دینے سے حضور کی وسعت علم و نظر کا ایک واضح نقشہ سامنے آ جائے، اور آپ کی وسعت علم بطور تواتر معنوی کے ثابت ہو جائے، ہر ہر آیت یا حدیث الگ الگ مستقل دلیل نہ تھی، کہ اس اعتراض کی گنجائش نکل سکے کہ فلاں دلیل دعوے سے خاص ہے، کیوں کہ وہ کوئی الگ اور مستقل دلیل ہی نہیں، تاہم اس امر کا خاص لحاظ رکھ کر بعض ایسی آیتوں اور حدیثوں کو بھی بیان کر دیا گیا تھا، جو تنہا بھی ثبوت مدعا کے لیے کافی ہوں، لیکن ہمارے فاضل رحمانی کو عقل سے اتنا بَیر ہے کہ صرف اپنی سہولت و آسانی نیز جاہل عوام پر اپنی ہمہ دانی کا سکہ بٹھانے کے لیے ہر ہر آیت و حدیث کو الگ الگ دلیل فرض کر لیا ہے۔ حد یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جو محض وضاحت مسئلہ کے لیے بیان کیا گیا تھا، اس کو بھی ایک الگ دلیل بنا کر خواہ مخواہ زحمت تردید گوارا فرمائی، اور کاغذ سیاہ کیے ہیں، اس پر ہم اس سے زیادہ کیا کہیں:

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

لیکن ہم کو چوں کہ فاضل رحمانی کی ہر طرح خاطر کرنی منظور ہے، اس لیے اس رسالے میں انہیں کے اصول کو مدنظر رکھ کر ''خیر الانبیا'' کے صرف انہیں نصوص کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے، جو بہت کچھ دعوی سے مطابق ہیں، اور جس کا اعتراف زبان حال سے ہمارے سادہ لوح مخاطب نے بھی کیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بقیہ نصوص اس بات سے عاری ہیں، بلکہ یہ تو صرف ہمارے بھولے بھالے نیز آفت کے پرکالے مخالف کی جاہلانہ شوخی ہے کہ وہ اپنی جہالت ولاعلمی کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔

شاہداً کی بحث:

اس سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی بحث کا خلاصہ یہ ہے: قرآن عظیم نے آپ کی ذات گرامی کو تین جگہ شہید یا شاہد کے لفظ سے یاد فرمایا ہے:

(۱) ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾ [البقرة: س ۲۔ت ۱۴۳]

ایسے ہی اے امت محمد تم کو امت وسط بنایا کہ تم لوگوں پر گواہی دو، اور تم پہ رسول شاہد ہوں۔

(۲) ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَـؤُلاء شَهِيداً﴾ [النساء: س ۴۔ت ۴۱]

پس کیسے ہوگا جب کہ ہم ہر ایک امت سے گواہ لائیں گے، اور آپ ان سب پر شہید ہوں گے۔

(۳) ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ [الأحزاب: س ۳۳۔ت ۴۵]

اے نبی ہم نے آپ کو شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

ان آیتوں سے وجہ استدلال یہ ہے کہ

(۱) شاہد اور شہید کے وہ معنی جو یہاں مراد لیے جاسکتے ہیں دو ہیں۔ حاضر و ناظر یا گواہ۔ پہلی صورت میں مدعا بداہۃً ثابت اور گواہ ہونے کی صورت میں بھی حاضر و ناظر ہونا ضروری کہ شہادت بغیر معائنہ کے ہو ہی نہیں سکتی۔

(۲) اور گواہ ہونے کی شکل میں آپ ساری مخلوق پر گواہ ہوں گے، اس لیے پوری کائنات حضور کے پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

فاضل رحمانی نے اس پر مندرجہ ذیل گرفتیں کی ہیں:

(۱) حضور ساری مخلوق پر گواہی تو کیا دیں گے اپنی امت کے لیے بھی صرف اتنا کہیں گے کہ یہ عادل اور سچے ہیں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ہر امتی کی تمام حالتوں سے بھی آپ آگاہ ہوں۔

(۲) شہادت کے لیے دیکھنا ضروری نہیں۔

مدارک میں ہے:

''الشهادة قد تكون بلا مشاهدة، كما في الشهادة بالتسامع في الأشياء المعروفة. (۱/۹۸)

شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اشیاے معروفہ ومشہورہ میں سن کر گواہی دی جاتی ہے۔

(۳) اگر حضور کو ''شاہداً'' کے لفظ کی وجہ سے حاضر وناظر کہنا صحیح ہے تو امت محمدیہ کو بھی اس خطاب سے نوازا گیا ہے۔ لہذا سب حاضر وناظر ہوے۔

شہادت کے معنی:

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی اپنی کتاب ''عنایۃ علی الہدایۃ'' میں فرماتے ہیں:

''والشهادة في اللغة عبارة عن الأخبار بصحة الشيء عن مشاهدة وأعيان، ولهذا قالوا: إنها مشتقة من المشاهدة.'' (العناية على الهداية: ۶/۲)

شہادت لغت میں کسی چیز کی خبر دینا ہے رویۃ ومشاہدہ کے بعد، اس لیے اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ سے مشتق ہے۔

''الشهادة والمشاهدة والشهود هو الروية.'' (التفسير الكبير: ۲/۹)

شہادت، مشاہد اور شہود دیکھنے کا نام ہے (خواہ قلب سے ہو یا آنکھ سے)

'' والتركيب للحضور، إما بالذات أو بالتصور.'' (بیضاوی شریف ص ۴۵)

شہادت کی ترکیب ہی حضور کے لیے ہے بالذات یا بالعلم۔

اور خیر الانبیاء میں تو مفردات راغب کے حوالہ سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ: **الشهادة والشهود. هو الحضور مع المشاهدة إما بالبصر وإما بالبصيرة.** شہادت اور شہود کے معنی مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا، یہ مشاہدہ خواہ آنکھوں سے ہو، خواہ بصیرت سے۔ اور اتنا تو لغت کی ہر کتاب میں مل جائے گا کہ: **الشهادة خبر قاطع.** شہادت خبر قاطع کا نام ہے، اور کسی چیز میں قطعیت کے دو ہی طریقے ہیں یا مشاہدہ، یا ایسے صادق القول کا خبر دینا جو واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہو، بہر حال جہاں تک شہادت کا تعلق ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا ثبوت مشاہدہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اس لیے شاہد کے معنی خواہ حاضر و ناظر ہوں یا گواہ۔ بہر حال حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے۔

شہادت بالتسامع:

رہ گیا یہ سوال کہ علامہ نسفی نے فرمایا:

والشهادة قد تكون بلا مشاهدة كما في الشهادة بالتسامع في الأشياء المعروفة.

تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے، تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت میں شہادت کا اطلاق حقیقت ہے یا مجاز، حقیقت تو ہے نہیں جیسا کہ کتب لغت اس کی شاہد عدل ہیں۔ اور ابھی ہم نے عنایہ وغیرہ کی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری ہے، بلکہ یہ اطلاق مجاز ہے، حقیقت نہیں۔ اسی واسطے فقہائے کرام اس کو خلاف قیاس فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ شہادت بالتسامع حفظ حقوق کے ماتحت ضرورۃً جائز رکھی گئی ہے۔ پس جب یہ اطلاق مجاز ہوا تو یہ کہنا کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری نہیں جہالت ہے۔ اور مدارک کی عبارت پیش کرنا جہالت در جہالت۔ کیوں کہ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی کہے اسد کے لیے حیوان مفترس ہونا ضروری نہیں بلکہ اسد کبھی حیوان ناطق بھی ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں: ''**زيد أسد**'' اس میں اسد کا اطلاق زید پر ہوا جو حیوان ناطق ہے۔

اور فاضل اپنی کم نگاہی سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں بہت دور کی کوڑی لایا:

اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی　　　اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

امت کی شہادت:

اسی طرح امت مسلمہ جو گزشتہ امتوں کے بارے میں بیان دے گی وہ شہادت علی الشہادۃ ہوگا۔ جیسا کہ جب ان سے سوال کیا جاے گا کہ تم نے کس طرح یہ شہادت دی تو کہیں گے: بأخبار القرآن علی لسان نبیک الصادق. جس سے خود ہمارے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے۔ جبھی تو امت محمدیہ سے سوال ہوا کہ آپ گواہی کیسے دے رہے ہو جب تم اس وقت تھے نہیں، پس جس طرح ان کی شہادت علی الشہادت ہے، اسی طرح ان پر لفظ شاہد کا اطلاق بھی مجازاً ہوا ہے، اور ان کو حاضر وناظر کہنا درست نہیں۔

شہادت توحید:

لیکن فاضل رحمانی شہادت علی الشہادت کے طلسم زار میں ایسا پھنسے کہ رہائی ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے، تو ہر مسلمان کلمۂ توحید کی شہادت کیسے دیتا ہے؟ لیکن اس سادہ لوح کو معلوم نہیں کہ یہ بھی شہادت علی الشہادت ہے، وہ بھی اس پایہ کی کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں حضور کی نہیں بلکہ اپنی معرفت اور علم سے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں تو یہ گواہی بارگاہ الٰہی میں نامقبول ہوگی۔

رہ گیا یہ سوال کہ شہادت علی الشادۃ پر لفظ شہادت کا اطلاق ہوتا ہے، ہمارے لیے کچھ مضر نہیں، کیوں کہ حضور کی شہادت کو بھی شہادت علی الشہادۃ ثابت کرنے کے لیے مخالف کو دلیل کی ضرورت پڑے گی اور یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

تنبیہ:

یہ واضح رہے کہ مشاہدہ باب شہادت میں اپنے وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص نکاح کے ایجاب وقبول کی گواہی دیتا ہے، یہ خبر بھی مشاہدہ میں داخل ہے، لیکن رویت عین یہاں بالکل نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق آنکھ سے ہے ہی نہیں بلکہ کان سے ہے۔ یوں ہی مبصرات کے علاوہ دیگر محسوسات کی گواہی انہیں حواس کے واسطہ سے ہوگی، بایں ہمہ وہ تمام قسمیں مشاہدات میں داخل ہیں، اور اس کی اعلیٰ قسم ہیں، یوں ہی دنیا کی گزشتہ یا آیندہ وہ اشیا جن کا تعلق مصطفیٰ ﷺ کی ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے، اس کا علم آں حضرت ﷺ کو جس واسطے

سے ہوا ہو سب مشاہدات میں داخل ہیں۔

شہادت کی وسعت:

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ شہادت کے لیے مشاہدہ ضروری ہے، یہ دیکھنا ہے کہ حضور کی شہادت کن کن لوگوں پر ہوگی۔ جلالین، تفسیر ابن عباس، بیضاوی، ابوسعود، تفسیر کشاف وغیرہا میں پہلی آیت کے تحت میں یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے مزکی اور معدل ہیں۔

دوسری آیت سورۂ نساء کے تحت مدارک وخازن میں ہے:

﴿جئنابک﴾ یا محمد ﴿علیٰ هؤلاء﴾أي: أمتک ﴿شهيدًا﴾

يعني: تشهد علیٰ هؤلاء الذين سمعوا القرآن وخوطبوا به بما عملوا.

(مداک التنزيل: النساء. ت ۴۱)

(تفسير خازن: ۱/۲۷۶)

ہم آپ کو اے نبی ان گواہوں پر گواہ بنائیں گے جن کو قرآن مخاطب کرنے والا ہے، اور جنہوں نے قرآن سنا اور عمل کیا۔

تفسیر کشاف میں ہے:

﴿جِئْنَابِکَ عَلیٰ هؤلاءِ﴾ المكذبين ﴿شهيدا﴾

(تفسير سورة النساء: ت ۴۱ ۔ ۱/۵۰۶)

ہم نے آپ کو منکرین پر گواہ بنایا۔

بیضاوی میں ہے:

"تشهد على صدق هؤلاء الشهداء لعلمک بعقائد هم، واستجماع شرعک مجامع قواعدهم، وقيل: هؤلاء إشارة إلى الكفرة المستفهم عن حالهم، و قيل: إلى المؤمنين." (تفسير سورة النساء: ت ۴۱ ۔ ۱/۲۱۵)

آپ ان گواہوں کے صدق پر گواہی دیں گے، کیوں کہ آپ کو ان کے عقائد کا علم ہے، اور آپ کی شریعت جامع ہے ان کے تمام قواعد کی۔ ایک قول یہ ہے کہ ھولاء سے مراد کفار ہیں، اور کہا گیا کہ مومنین مراد ہیں۔

ان تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مفسروں کے تین اقوال ہیں:

(۱) آپ انبیا پر شہادت دیں گے۔
(۲) کافروں پر شہادت دیں گے۔
(۳) مسلمانوں اور مومنوں پر شہادت دیں گے۔
تیسری آیت کے تحت جلالین میں ہے:
﴿شاهداً﴾ علىٰ من أرسلت عليهم."
(تفسير سورة الأحزاب: ت۴۳، ص ۴۲۴)
آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں کے جن کے آپ رسول ہیں۔ (یعنی ساری مخلوق کے)
تفسیر ابن عباس میں ہے:
﴿شاهداً﴾ على أمتک بالبلاغ."
آپ شاہد ہوں گے اپنی امت پر تبلیغ رسالت کے۔
بیضاوی میں ہے:
﴿شاهدا﴾ علىٰ من بعث إليهم بتصديقهم وتكذيبهم ونجاتهم وضلالهم." (تفسير سورة الأحزاب: ت۴۳-۲/۲۴۸)
آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں پر جن کی طرف مبعوث کیے گئے، ان کی تصدیق وتکذیب اور نجات وصلاۃ کے لیے۔
تفسیر کبیر میں ہے:
"أنه شاهد على الخلق يوم القيامة، أنه شاهد أن لا اله إلا الله، أنه شاهد في الدنيا بأحوال الآخرة من الجنة والنار، وشاهد في الآخرة بأحوال الدنيا بالطاعة والمعصية والصلاح والفساد." (تفسير كبير: ۹/۱۷۳)
آپ شاہد ہوں گے مخلوق پر قیامت کے دن، یا آپ لا الـه الا الله کی شہادت دینے والے ہیں، یا دنیا میں جنت ونار کی شہادت دیتے ہیں، اور آخرت میں طاعت وگناہ اور فلاح وفساد کی شہادت دیں گے۔
تفسیر ابو سعود میں ہے:
"على من بعثت إليهم تراقب أحوالهم، وتشاهد أعمالهم، وتعمل

منهم الشهادة بما صدر عنهم من التصديق والتكذيب، وسائر ماهم عليه من الهدى والضلال، و تؤديها يوم القيامة۔"

(تفسير ابو سعود:سورة الأحزاب ـت ۴۳ . ۴/۳۲۵)

آپ شاہد ان لوگوں پر ہیں جن کی طرف مبعوث کیے گئے، آپ ان کی کیفیات کے نگہبان، ان کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والے اور آپ ان کی شہادت دیں گے وہ جو ان سے صادر ہوا، تصدیق سے تکذیب سے، اور ہدایت وگمراہی (سب کی) شہادت قیامت کے دن دیں گے۔

مدارک وخازن میں ہے:

﴿شاهداً﴾ للرسل بالتبليغ، وقيل: شاهداً على الخلق كلهم."

(تفسير خازن: ۳/ ۴۳۰)

رسولوں کی تبلیغ وہدایت کی شہادت دیں گے اور ایک قول کہ ساری مخلوق پر گواہ ہوں گے۔

مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ قیامت میں اپنی امت کی تصدیق اور تزکیہ فرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ میرے امتی سچے ہیں، جیسا کہ فاضل رحمانی کا بیان ہے، لیکن صرف یہی آیت تو نہیں کہ فاضل رحمانی کی بات مان لی جائے، اس ظالم نے تو یہ غضب کیا ہے کہ اور دیگر آیتوں کی تفسیر کر کے تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوا ہے، کیوں کہ دوسری آیت سے اتنی بات زائد ثابت ہوتی ہے کہ انبیا پر بھی آپ گواہ ہوں گے، اور دیگر اقوال کی بنا پر ساری مخلوق پر آپ شاہد ہوں گے۔ پھر اگر ان تفسیروں کی روشنی میں حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے یہ کہا کہ ساری مخلوق پر آپ کی شہادت ہوگی اور ہم بدلائل ثابت کر آئے ہیں کہ: الشهادة هو الحضور مع المشاهدة إما بالبصر أو بالبصيرة. اس لیے اگر ان سب کے پاس حضور کا دعویٰ کیا تو کیا غضب کیا، لیکن فاضل رحمانی اپنی غلط کوشی ونادانی سے ہر جگہ متبذل ورکیک جی داری سے کام لیتے ہیں۔ اب یہ ناظرین کا کام ہے کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ: دزد بکف چراغ۔ وہ ہیں یا دوسرا۔

بحث کا اعادہ:

یہ یاد رہے کہ اب تک جو بحث کی گئی صرف اس شق پر کی گئی ہے کہ شاھداً کے معنی گواہ کے ہیں۔ اور گواہ کے لیے دیکھنا ضروری۔ لہذا آپ حاضر ہوے، اور اگر شاھداً، شھوداً کا اسم فاعل ہو تو اس کے ٹھیک معنی حاضر و ناظر ہوے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا: ''بھیجا ہم نے آپ کو حاضر و ناظر'' اور صاحب مفردات راغب نے ھو الحضور مع المشاھدۃ. سے کیا۔ اور آیت کے اس معنی پر فاضل رحمانی نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ یہ لفظ متکثر المعنی ہے، گویا دبے لفظوں میں اس معنی کا بھی آپ کو اقرار ہے۔ اور دلالۃ النص سے نہیں اقتضاء النص سے ہی حضور کا حاضر و ناظر ہونا تسلیم کرلیا۔

یہ عجیب بات ہے:

ہونٹوں پہ ہنسی آنکھوں میں غضب اقرار بھی ہے انکار بھی ہے

حضور جسمی:

یہاں ایک مغالطے کا ازالہ ضروری ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ''خیر الانبیا'' میں فرمایا: ''گزشتہ امتوں کے حالات بچشم خود ملاحظہ نہ فرمائے ہوتے تو آپ سے جرح نہ ہوتی کہ آپ بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہیں''۔ یہاں لفظ چشم کی آڑ لے کر رحمانی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اپنے جسد عنصری کے ساتھ ہر جگہ اور ہر زمانے میں موجود ہیں۔

اس دھوکے کا بھی اصلی سبب یہی ہے کہ یہ شپرہ چشم حضور کے دیکھنے کو بھی اپنی طرح سمجھ رہا ہے، حالاں کہ اس سراپا اعجاز ﷺ کا دیکھنا ہماری طرح قطعاً نہیں ہے، ہم صرف سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

(اني لأراكم وراء ظهري كما أرىٰ أمامي)

میں تم کو پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے۔

حدیث: تجلی لي كل شيء) میں گو تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی فاضل رحمانی بھی یہ مانتے ہیں کہ ساری کائنات حضور پر روشن ہوگئی خواہ گزشتہ ہو، موجود یا آیندہ ہو۔ اور حضور نے ہر ایک کا عرفان بھی کیا، پھر کیا آپ اس سے یہ استدلال کریں گے کہ حضرت ہر ہر شی کے پاس بجسدہ حاضر ہوں۔

یوں ہی حدیث: (أني أنظر إليها وأنا في مقامي هذا.)
میں بھی آپ کو یہ اقرار ہے کہ آپ کی یہ نظر قیام منبر تک ہی سہی خوض کوثر پر ہے۔ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ نظر ہماری اور آپ کی طرح ہے۔ بندہ پرور! اس مقدس وجود کے لیے رویت وعرفان کے وہ تمام اصول وقواعد جو عام انسانوں کے لیے ضروری ہیں ان کے لیے ضروری نہیں، وہ بغیر گزشتہ زمانوں میں بجسدہ موجود ہوئے بھی ہر ایک چیز کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ اور یہ ملاحظہ گو ان ظاہری آنکھوں سے نہ ہو، مگر اتنی وضاحت رکھتا ہے کہ ساری دنیا کی نگاہیں مل کر بھی اتنا عرفان حاصل نہیں کرسکتیں۔ تو اس کیفیت کے بیان کے لیے سوائے چشم دید اور مشاہدہ کے لیے اور کون سا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ ہم حضور جسمی کے گزشتہ زمانوں میں قائل ہوں۔ اور نہ اس کو آپ ہمارے بیان کردہ معنی حاضر وناظر سے کسی طرح ثابت کرسکتے ہیں۔ فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ قرآن عظیم کی ان آیتوں کو پیش کرکے جن میں حضور جسمی کی نفی ہے کتاب کے اوراق میں اضافہ کیا ہے۔

مزکی یا شاہد:

گزشتہ اوراق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پہلی آیت میں علمائے تفسیر نے مزکی ومعدل کا لفظ، اور دوسری میں بعض نے استعمال کیا ہے، اور تیسری میں حضور کو شاہد ہی لکھتے ہیں، جس سے فاضل رحمانی کی اس بانگ بے ہنگام کی وقعت ظاہر ہوجاتی ہے کہ امت کے بارے میں آپ صرف اجمالی بیان دیں گے، کہ یہ قابل گواہی ہے۔ اور بس، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں، کہ مزکی ومعدل ہونے کے معنی بھی بیان کرتے چلیں تاکہ رگ وہابیت کا کوئی تار باقی نہ رہے۔ علامہ بیضاوی کی تفسیر متعلقہ دوسری آیت: ﴿تشهد علیٰ صدق هؤلاء الشهداء.﴾ پر امیر خطیب گازرونی حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:

”أقول: ههنا شيئان: الأول مافائدة في جعل نبينا شهيدًا علىٰ الأنبياء مع كما لهم، والثاني أن الشهادة علىٰ صدق الشهداء لا تعلق لهم للعلم بعقائدهم، واستجماع شرعه لجامع قواعدهم، بل مدارها علىٰ أن يعلم أن ما يقولون في شانه أنه صادق، والجواب عن الأول: فائدة إظهار شرف نبينا على سائر الأنبياء. وعن الثاني أن المزكي للشاهد بعينه يعتبر في تصديقه الخبر الباطنة،

وھي أن يعلم باطن أحوال الشاهد، وهذا ما قرر في الفقهيات، ولا يخفى أن المزكي إذا كان عالماً بعقائد الشاهد وأعماله كان تزكية أقوىٰ وأشد اعتبار، أو العلم بعقائد هم إشارة إلى أمور العقلية، والاستجماع المذكور الأعمال، يعني أن نبينا ﷺ عالم بعقائد الأنبياء وأعمالهم؛ فلذا صار مزكياً لهم۔صلوٰت الله عليهم." (بیضاوی دوم ص ۸۸)

میں کہتا ہوں کہ یہاں دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ ہمارے نبی کو دیگر انبیا پر گواہ بنانے میں فائدہ کیا ہے۔ دوسرے گواہوں کے صدق پر شہادت علم عقائد اور محمدی شریعت کا دیگر شرائع کے جامع ہونے سے کوئی علاقہ نہیں، بلکہ یہ جاننا چاہیے کہ یہ جو شہادت دے رہے ہیں اس میں سچے ہیں، پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اس میں ہمارے نبی کی شرافت وکرامت کا اظہار ہے دیگر انبیاء پر۔ اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ شاہد بعینہ کے تزکیہ وتصدیق میں یہ بات ضروری ہے کہ مزکی شاہد کے حالات باطنی کا بھی مشاہدہ کرے، اور یہ بات اہل فقہ کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مزکی جب شاہد کے عقائد اور اعمال کو جانے گا تو اس کا تزکیہ اور زیادہ قوی اور معتبر ہوگا۔ اور علم عقائد سے مراد امور عقلیہ ہیں اور استجماع مذکور سے مراد اعمال، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ انبیا کے عقائد کو بھی جانتے ہیں اور تمام اعمال کو بھی، اس لیے آپ ان تمام رسولوں کے مزکی ہو گئے۔ ان پر خدا کا سلام ہو۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مزکی ہونا تو شاہد سے بھی بڑا مرتبہ ہے اور شاہد سے بھی زیادہ علم وعرفان چاہتا ہے، اور ہمارے سادہ لوح مخالف اپنے زعم میں خوش ہیں کہ ہم نے شہادت کا انکار کر کے حضور کو حاضر وناظر ہونے نہیں دیا۔ یہ تو وہی ہوا۔

مچھلی سمجھ رہی ہے کہ لقمہ یہ تر ملا
صیاد کہہ رہا ہے کہ کانٹا نگل گئی!

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ [الأحزاب: س ۳۳۔ت ۶]

اس آیت سے "خیر الانبیا" میں یوں استدلال کیا گیا ہے کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولیٰ کے معنی قریب تر کے لکھے ہیں۔ اس لیے حضور مومنین کی ہر آبادی خواہ وہ عالم بالا کی ہو یا عالم ادنیٰ کی سبھی جگہ ہوے۔ فاضل رحمانی اس پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ اولاً

تو یہ معنی عام تفاسیر میں نہیں ہے۔ثانیاً اگر اس کے معنی شاہد کی تفسیر کی بنا پر قریب تر ہی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے پاس حضور ثابت ہوتا ہے۔اور حنفی دونوں عالم میں حضور کے قائل ہیں۔

اولیٰ کے معنی ضرور قرب مکانی کے ہیں۔اس کے علاوہ جس مجازی معنی میں مستعمل ہوگا،اس میں قرب کا معنی پایا جانا ضروری ہے،خواہ وہ قرب علمی ہو یا تصرفی ہو،یا مقام کے مناسب کوئی اور قرب ہو۔جیسا کہ مجاز کے بارے میں یہ اصول طے ہو چکا ہے۔اس لیے آیت مذکورہ میں دیگر تراجم کی بنا پر قرب مکانی نہ سہی قرب علمی یا تصرفی ضرور ہوگا،اور اتنا ہمارے مدعیٰ کے لیے کافی ہے۔لیکن والفضل ما شهدت به الأعداء.خود فاضل رحمانی سے ایک ایسا جملہ نکل گیا ہے جو ہمارے مدعیٰ کو ثابت کرتا ہے،آپ لکھتے ہیں:یعنی حضور مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں،اور جب حضور کو آپ نے متصرف مان لیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور کو ہر ایک مومن کا واضح علم ہے،کیوں کہ تصرف کے لیے تقدم علم ضروری ہے،اس طرح فاضل رحمانی نے نادانستہ حضور علمی کو تسلیم کرلیا۔رہ گیا آپ کا یہ اعتراض کہ دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے،یہ غایت جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے،کیوں کہ مومنوں سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں،حتیٰ کہ کافروں کے کندھوں پر بھی کراماً کاتبین ہوتے ہیں جو مومن ہیں۔اسی طرح عرش وفرش،زمین وآسمان کا کون سا حصہ ہے جہاں جن وملک یا انسان نہیں۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾[الانبياء:س ۲۱۔ت ۱۰۷]:

اس آیت سے نقطہ استدلال یہ تھا کہ سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو اس آیت میں خدا نے اپنی ذات کے علاوہ سارے عالم کے لیے رحمت بتلایا ہے،اس لیے آپ کا تعلق ہر ایک سے ہونا چاہیے،لیکن اس پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ تعلق کے لیے یہ کیا ضروری ہے کہ آپ سب کے عالم بھی ہوں،اس لیے دوسری آیت ﴿وسعت رحمتي كل شيء﴾ سے یہ ثابت کیا گیا کہ وہ رحمت سب کو گھیرے بھی ہے،یہاں یہ خیال کرنا کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں لیکن اللہ کی رحمت نہیں،اور آیت میں ''رحمتی'' یعنی اللہ کی رحمت کا ذکر ہے،نری جہالت ہے،لیکن فاضل رحمانی کو اسی جہالت پر فخر ہے،یہاں بھی دو اعتراض کرتے ہیں:

(۱) ''قرآن میں چودہ معنی رحمت کے آئے ہیں،جن میں کوئی معنی حضور کی ذات نہیں،

وہ معنی یہ ہیں:

اسلام، ایمان، جنت، بارش، نعمت، نبوت، قرآن، رزق، مدد، فتح، عافیت، کشائش، مغفرت، عصمت،

لہذا ''رحمتی'' سے مراد آیت ﴿ورحمتي وسعت كل شيء﴾ میں حضور کی ذات نہیں ہوسکتی، کہ رحمت کے یہ معنی نہیں''۔

(۲) ''اگر ہم رحمت کے معنی حضور کی ذات بھی لے لیں تو چوں کہ دونوں آیتوں سے شکل اول بنتی ہے، اور یہ صحیح نتیجہ اس وقت دے گی جب حد اوسط متکرر ہو، اور یہاں حد اوسط صغریٰ میں رحمت عالم ہے۔ اور کبریٰ میں اللہ کی رحمت، لہذا یہ شکل صحیح نہیں اور نتیجہ بھی درست نہ ہوگا''۔

بمصداق:

آنکھ والے ترے جلووں کا تماشا دیکھیں دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

فاضل رحمانی نے یہاں اپنی فقدان بصیرت کا ثبوت دیا ہے، ورنہ جو شخص کسی طرح یہ معلوم کرسکتا ہے کہ پورے قرآن میں چودہ جگہوں پر چودہ معانی کے لیے لفظ رحمت آیا ہے، وہ اس پندرہویں جگہ کو چھوڑ دے گا جہاں رسول اللہ ﷺ کی عظمت نکلتی ہو۔

نور گیتی فروز چشمۂ حور زشت باشد بچشم موشک کور

کیا زیر بحث آیت:

﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِينَ [الأنبياء:۱۰۷]﴾ میں حضور کی ذات اقدس پر رحمت کا اطلاق نہیں ہوا ہے۔ اگر ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے۔ پھر دیدۂ و دانستہ اس سے اعراض کر جانا صریح بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟۔ اس لیے ایمانداری سے کام لیتے ہوئے ان چودہ معنی پر ایک اور کا اضافہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان میں کون اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ ﴿وسعت رحمتي كل شيء﴾ کے تحت آسکے۔

اسلام کبھی بھی ہر شی کو گھیرے نہیں ہے۔ یوں ہی ایمان کی دولت سے لاتعداد اشیا محروم ہیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں جنت کا دروازہ کافروں کے لیے بند ہی رہے گا۔ بارش بھی آسمان پر نہیں ہوتی۔ نعمت ایسا لفظ ہے جو رحمت کے ہم معنی ہے۔ نبوت کے اہل معدود حضرات ہیں۔ اور قرآن کے گھیرنے کے معنی یہ ہوں کہ اس میں ہر شی کا بیان ہے۔ تو اس سے حضور ﷺ کی وسعت علمی اور حضور ثابت ورنہ احاطہ نوع، رزق غیر مرزوق کو گھیر نہیں سکتا، مدد مغضوب علیہم کی

نہیں ہوسکتی، عافیت سے پریشان حالوں کا کاشانہ خالی ہے، مودت کی اہل کتنی چیزیں نہیں ہیں، کشائش کا دامن بھی سارے عالم کو گھیر نہیں سکتا، مغفرت سے مشرکین قطعاً تہی دامن ہیں، عصمت وحفاظت بھی بے شمار اشیا کے لیے نہیں، پھر وہ رحمت کون سی ہے جو معنی مطابقی کے ساتھ سب کو گھیرے ہو۔ ہم چیلنج کرتے ہیں فاضل رحمانی کو کہ وہ ثابت کریں ان چودہ معانی میں کسی ایسے معنی کو جو سارے عالم کو گھیرے ہو۔ آپ نے رزق مراد لیا ہے، لیکن سوچنا چاہیے تھا کہ رزق کے احاطے سے نباتات اور جمادات خارج ہیں، کیوں کہ رزق اس کو کہتے ہیں جس سے حیوان انتفاع حاصل کرسکے۔

اگر کوئی رحمت سارے عالم کو گھیر سکتی ہے تو وہ ذات گرامی دارین ﷺ کی جو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں، اس لیے صاحب مواقف حضرت مولانا العلام امیر القادر جزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موقف نواسی میں فرماتے ہیں:

''فإن حقیقته ﷺ هو الرحمة التي وسعت كل شيء.''

حقیقت مصطفویہ ہی وہ رحمت ہے جو سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ اس دلیل میں حد اوسط متکرر نہیں، لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں مگر اللہ کی رحمت نہیں۔ حضور خدا کی رحمت ہیں۔ اور ضرور ہیں، پھر فاضل رحمانی کس منہ سے کہتے ہیں کہ حد اوسط متکرر نہیں۔ حضور رحمت عالم ہونے کے ساتھ ہی خدا کی بھی رحمت، اور خدا کی رحمت عالم کو گھیرے ہے۔ لہٰذا حضرت سب کو گھیرے ہیں۔ ہم نے ان دونوں آیتوں کو منطقی استدلال کی شکل میں پیش نہیں کیا تھا، لیکن آپ نے اس کو تسلیم کرکے اپنے کو پابند بنالیا ہے، لہٰذا اس کا نتیجہ بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ آپ خواہ مخواہ منطقی بننے کی کوشش کرتے ہیں، میرے خیال میں خود اپنا ہی پیش کردہ وہ شعر

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

بار بار پڑھ کر اپنے سینے پر دم کیجیے۔ اس مالیخولیا سے آپ کو نجات مل جائے گی۔

احادیث

احادیث پر بھی فاضل رحمانی نے عجیب بے ہنگم اور لایعنی تبصرے کیے ہیں، ذیل میں

نمونۂ چند احادیث کو پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے فاضل رحمانی کے علمی افلاس وسفلہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔

"فتجلى لي كل شىء وعرفت"

(الجامع للبخاري: تفسير سورة الصافات ۔ ۲/۱۵۵)

اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے:

"فعلمت أي: سبب وصول ذلک الفيض مافي السموات والأرض عبارة عن سعة علمه، وقال ابن حجر: جميع الكائنات التي في السموات بل وما فوقها، وجميع ما في الأرض السبع.

پس جان لیا میں نے اس وصول فیض کے سبب سے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، یہ تعبیر ہے حضور ﷺ کے وسعت علم کی۔ ابن حجر کا قول ہے کہ جو آسمان کے اوپر ہے اور اس میں ہے وہ سب کائنات اور جو ساتوں زمین میں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"پس دانستم ہر چہ در زمینہا و ہر چہ در آسمانہا بود، عبارت است از حصول تمامہ علوم کلی وجزئی"۔

پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ عبارت ہے حصول سے تمام علوم کلی وجزئی کے۔

اور علامہ طیبی کا بھی یہی خیال ہے، مذکورہ تصریحات علما کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہی ہوا کہ حضور کو ایک رات خواب میں ایک خاص قسم کا وصول فیض ہوا، جس کے سبب آپ نے سارے عالم کو دیکھا، جانا، پہچانا۔ یہ وصول فیض اور حصول علم کلی وجزئی صرف خواب کی حالت تک رہا، اور آپ جب بیدار ہوے، تو معاذ اللہ وہ سارا علم وعرفان آپ سے لے لیا گیا۔ یہ دعویٰ انتہائی جی داری اور بے پناہ جہالت ہے، کیوں کہ حدیث کے کسی لفظ سے نہ تو یہ معنی مترشح ہوتا ہے، نہ ہی کسی معتبر حدیث داں عالم نے اس کے یہ معنی بتائے، لیکن برا ہو فاضل رحمانی کا جنہوں نے عداوت مصطفیٰ ﷺ کے نشہ میں حدیث کے یہ معنی گڑھے اور اس کو بڑے طمطراق سے بیان کیا، افسوس:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں　　ہوے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

آپ لکھتے ہیں: ''چوں کہ حضور اس واقعہ کو خواب کا بیان فرما رہے ہیں جو ایک خاص وقت ہے، لہٰذا یہ قضیہ وقتیہ ہوا، مطلب یہ ہوا کہ اس خاص وقت میں یہ بات تھی کہ قدرت نے اپنا ہاتھ حضور کے سینہ پر رکھا تجلی ہوئی، سب روشن ہوگیا، خواب کے بعد نہ وہ ہاتھ رکھنا، نہ وہ روشنی نہ عرفاں''۔ عیاذاً باللہ۔ اگر یہ خاص وقت کا عذر لنگ قابل اعتبار ہو تو ایک شخص بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ ہمارے مخالف علامہ عبد الرؤف نرے جاہل، پکے بدھو، گھامڑ ہیں۔ اور ان کی فضیلت علمی کی ساری سندیں اور علم و تعلیم کی ساری کوششیں بے کار، حرف غلط اور نقش بر آب ہیں، کیوں کہ اپنی ماں کے شکم سے تو تمام علم لے کر آئے نہیں، لامحالہ ان کے جس استاذ نے جب بھی ان پر ہاتھ رکھ کر یا ڈنڈا رکھ کر جس طرح بھی تعلیم دی ہوگی وہ کوئی نہ کوئی خاص وقت ضرور ہوگا، لہٰذا یہ قضیہ (دلی یا کسی جگہ سنہ فلاں میں عبد الرؤف خاں نے پڑھا) وقتیہ ہوگا۔ اور وقت خاص گزرنے کے بعد نہ تعلیم نہ تعلم، ہمارے مولانا ویسے ہی رہے جیسے گئے تھے۔ چلو اللہ اللہ خیر صلا۔ شاید آپ ہی کے لیے سعدی شیرازی نے کہا تھا:

سگ بدریائے ہفت گانہ بشو　　چوں کہ تر شد پلید تر باشد

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند　　چوں بیاید ہنوز خر باشد

واہ مولانا واہ، بارہ برس تک دلی رہے بھاڑ ہی جھونکا کیے۔

اس　یث میں مستند علماے حدیث کے خلاف اتنی بڑی جہالت کا لہ مایہ خمیر یہ ہے کہ وہابیوں نے غلطی سے خدا کے لیے بھی اپنے ہی جیسا ہاتھ سمجھ لیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آدمیوں جیسا ہاتھ کسی کے سینہ سے ہمیشہ چپکا نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے جب آں حضرت ﷺ پیدا ہوے تو بقول فاضل رحمانی خدا کا ہاتھ بھی آپ کے سینہ سے جدا ہو چکا تھا۔ اور حضور نے خواب میں جو کچھ جانا تھا سب بھول چکے تھے، ورنہ اس تشبیہ کا کیا مطلب کہ خواب میں حضور کے سینے پر خدا کا دست قدرت رکھنا ایسا ہی ہے جیسے بیٹری کی روشنی، وہ اسی وقت اجالا دیتی ہے جب پیچھے والا ڈھکن بھی اس میں لگا ہو، جہاں وہ ڈھکن جدا، روشنی بھی غائب، بخلاف اس کے علماے اسلام کا یہ خیال ہے کہ ''ہاتھ رکھنے سے مراد'' وصول فیض ہے، یعنی عالم خواب میں خدا کی طرف سے فیض پہونچا، اور آپ نے احاطہ علوم کلی و جزئی کیا، سب کچھ آپ پر روشن ہوگیا۔

فان من جودک الدنیا وضرتها   ومن علومک علم اللوح والقلم

ایک دلچسپ گرفت:

یہاں فاضل رحمانی نے ایک بڑی دلچسپ قلابازی کھائی ہے، یہ امر تو واضح ہے کہ آپ اسی حضور وعلم کو جس کے ہم قائل حضور کے لیے ہیں، خدا کی صفت خاصہ قرار دیتے ہیں، اور آیت: ﴿لیس کمثلہ شيء﴾ سے اس صفت خاصہ کی نفی غیر خدا سے کرتے ہیں، اور ((فتجلی لي کل شيء)) سے اسی کو ہم نے حضور کے لیے ثابت بھی کیا، اور فاضل رحمانی کو گو حالت خواب ہی میں، گو بطریق معجزہ ہی، گو تھوڑی ہی دیر تک حضور کے لیے ثابت مانتے ہیں، اور اس کے بعد زوال کے قائل ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا چند منٹ کے لیے ہی خدا کی کسی صفت خاص کو کسی مخلوق کے لیے ثابت ماننا شرک نہیں، کیا ایک آدھ گھنٹے کے لیے کوئی شخص معبود ہو سکتا ہے، گو بطور معجزہ ہی سہی، اگر نہیں تو آپ نے بطور معجزہ عالم خواب میں علم الٰہی (بقول آپ کے) حضور کے لیے ثابت مان کر شرک کیا یا نہیں، اور ہم کو مشرک کہتے کہتے خود مشرک ہوئے کہ نہیں۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر   اپنا بے گانہ ذرا پہچان کر

((رفع لي الدنیا فأنا أنظر الیها والی ما هو کائن فیها:))

اس حدیث کے بارے میں فاضل رحمانی نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، فاضل مذکور مشکاۃ شریف کا حوالہ بڑے طمطراق سے دیتے ہیں، لیکن آپ کی حیلہ جو آنکھ یہودیوں کی طرح ہمیشہ ایسے حوالے کھا جاتی ہے جو آپ کے لیے مفید نہ ہوں، اسی میں آپ کو یہ صحیح حدیث نظر نہ آئی، جو حدیث مذکور کی متابع ہے، اور اس کو صحت کے درجہ تک پہونچا دیتی ہیں:

((إن اللہ قد زوی لی الأرض، فرأیت مشارقها ومغاربها، لا تسئلوني عن شيء إلا أخبرتکم.))

(الصحیح لمسلم: کتاب الفتن واشراط الساعۃ۔ ۲/۳۹۰)

بے شک خدا نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا کہ میں نے اس کے ہر ہر حصے کو دیکھا، اس حدیث سے استدلال یہ تھا کہ حضور فرماتے ہیں: میں جو تم پوچھو گے بتاؤں گا، عربی میں نکرہ تحت نفی مفید استغراق ہے، اس لیے حضور نے اپنے اس قول میں ہر شی کے بتانے کا دعوی

کیا ہے، اگر آپ کو علم نہ ہوتا تو حالت غضب میں ہی سہی آپ خلاف واقع دعویٰ نہ کرتے۔

میاں رحمانی نے بڑی کوشش اس بات کی کی ہے کہ حضور ﷺ نے حالت غضب میں یہ قول فرمایا تھا، اس لیے معاذ اللہ! یہ خلاف واقع بات آپ کے منہ سے نکل گئی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور (خاک بدہن گستاخ) کیا حالت غضب میں بھی کسی جھوٹی بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ تو پوری تاریخ اسلام ہمیں اس کی شہادت دیتی نظر آتی ہے کہ حضور نے کبھی حالت غضب میں بھی خلاف واقع بات نہ کی۔

"عن عبد الله بن عمر قال: ((كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله ﷺ أريد حفظه، فنهى القريش وقالوا: أتكتب كل شيء ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الغضب والرضا، فأمسكت عن الكتاب، فذكرت لرسول الله ﷺ فأومأ بأصبعه إلى فمه فقال: أكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا الحق". (سنن أبي داؤد: ٢/١٦٣)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں ہر اس بات کو جو حضور ﷺ کی زبان اقدس سے نکلتی لکھ لیتا کہ یاد کروں گا، قریش نے مجھے منع کیا کہ تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالاں کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی ہیں جو کبھی غصہ میں کلام کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں، تو میں یہ سن کر رک گیا اور لکھنا چھوڑ دیا، پھر حضور سے اس کا تذکرہ کیا، پس آپ نے اپنی مبارک انگلیوں سے اپنے پاک منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: لکھ لیا کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے تو حق ہی نکلتا ہے۔

''سوال سے منع کرنے کے لیے حالت غضب میں آپ نے ''سلونی سلونی'' فرمایا۔ جس کا مطلب کثرت سوال سے روکنا تھا، لہذا اکثرت سوال کا جواز نکلا ہی نہیں کہ کثرت اخبار ثابت ہو، اور اس سے کثرت علم پر استدلال کیا جائے''۔

ہم کہتے ہیں کہ عدم اخبار عدم علم کو مستلزم نہیں، پھر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم کثرت اخبار سے کثرت علم ثابت کر رہے ہیں، قبلہ ہمارا استدلال ((لا تسئلوني عن شيء الا نبأتكم)). سے ہے، سوال یہ ہے کہ یہ جملہ حضور نے علم ہونے پر کہا یا بغیر علم کے؟ اور گو حالت غضب میں ہی سہی، وہ صدیق وامین جھوٹ نہیں بول سکتا، اس لیے یہ ادعا بر بنائے علم ہے، اور

دعویٰ ہر شیء کے علم کا ہے۔لہذا کثرت علم ثابت ،اس لیے عدم اجازت سوال کی یہ ساری موشگافیاں بقول آپ کے یادر ہوا ہیں اور آپ ان پر بھروسہ کرنے والے:

ہائے جب صیاد نے پھونکا نشیمن کو مرے   جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

فاضل رحمانی ترقی کر کے کہتے ہیں،اگر ہم یہ استدلال صحیح مان لیں تو یہ قضیہ مشروطہ ہوگا،اور حضور کا یہ اخبار قیام منبر تک کے لیے،اس لیے آپ کا یہ اخبار اتنی ہی دیر ہوگا جتنی دیر آپ منبر پر رہے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کی مراد اس تقریر سے کیا ہے،اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیام منبر تک اخبار تو قیام منبر تک علم،اور جب اخبار ختم ہو تو علم ختم،اگر یہ صحیح ہے تو غالباً معاذ اللہ خدا کو بھی آپ ان علوم سے جاہل مانتے ہوں گے جن کی خبر قرآن میں اس نے دی ہے کہ اخبار ختم ہوتے ہی ان کا علم بھی ختم ہوگیا۔علاوہ ازیں اگر قیام منبر تک اخبار محدود ہے تو علم کو آپ کیسے محدود کر رہے ہیں،اس کے ثبوت کے لیے آپ کو کوئی اور دلیل لانی ہوگی،یہاں پھر وہی سوال ہے کہ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے حضور کو حاضر و ناظر ماننے میں کوئی حرج تصور نہیں کرتے۔

یخبر کم بما مضی و ما ھو کائن:

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ما کان و ما یکون کی خبر دیتے ہیں۔فاضل رحمانی کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ:

مامضی میں اور ما کان میں لفظ ''ما'' عام نہیں ہے،کیوں کہ اگر عام مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام بھی اس علم میں آپ کے شریک ہوں،اور ان کو بھی حاضر و ناظر کہا جائے۔

نیز آیت:﴿وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ﴾[النساء :س ۴۔ت ۱۱۳]

میں بھی اگر ''ما'' عام ہو تو اس آیت میں جو بندوں کے لیے ہے﴿یُعَلِّمُکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ[البقرۃ:س ۲۔ت ۱۵۱]﴾ میں بھی ''ما'' عام ہوگا۔اور اس تقدیر پر حضور اور سارے امتی حاضر و ناظر ہوں گے۔

یہ کتنی بڑی بددیانتی ہے کہ وہ بات جس کے ہم قائل نہیں اس کو ہمارے سر تھوپا جائے، ہم نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ما صرف عموم کے لیے ہی آتا ہے۔ہاں ہمارا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ

آیت:﴿ وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ﴾اورحدیث((ما مضی وما ھو کائن)) میں ما عموم کے لیے ہے، کیوں کہ ما کے بارے میں یہ اصول طے ہے کہ اصل وضع میں عموم کے لیے ہے، اوراس سے پھیرنے کے لیے قرینۂ صارفہ کی ضرورت ہے۔۔اگر آیت﴿یُعَلِّمُکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ میں امت کے اس اجماعی مسئلے کی وجہ سے ماعام نہیں ہے تو آیت:﴿وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ﴾ میں اصل معنی سے پھیرنے والی کون سی چیز ہے، آپ دیکھتے نہیں﴿ان اللہ علیٰ کل شيء قدیر ﴾ میں لفظ کل کے استغراق میں خدا بھی داخل ہے حالاں کہ﴿ان اللہ علیٰ کل شيء قدیر﴾ سے خارج ہے۔

حدیث پر آپ کا یہ اعتراض کہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور انھوں نے جن جن کو بتایا سب حاضر وناظر ہو جائیں۔کامل عیاری اور حدیث سے عدم واقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، عیاری تو یہ کہ بڑی چالاکی سے آپ نے صحابہ کرام کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ عوام سمجھیں کہ تمام صحابہ کرام حاضر وناظر ہو گئے، اور واقعی "کم" کی ضمیر سے جمیع صحابہ کرام کا استغراق مراد لیا ہے، تو ہم کو آپ کی اس فراخ دلی پر یہ مثل یاد آتی ہے: میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھوتھو، کیوں کہ کہاں تو ما کے عموم سے انکار اور کہاں ضمیر خطاب کو لفظ استغراق بنا ڈالا۔اور اگر بعض صحابہ مراد ہیں تو ان کو علم ما کان وما یکون ہے، اس سے کس کو انکار ہے، یہ حدیث صحیح کا مضمون ہے:

"عن عمر قال:((قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاماً ، فأخبرنا عن بدأ الخلق حتیٰ دخل أھل الجنة منازلھم، وأھل النار منازلھم،حفظ ذلک من حفظ، نسیه من نسیه."(صحیح البخاري: کتاب بدء الخلق۔ ۱/۴۵۳)

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے آفرینش کے حالات بیان کرتے ہوئے یہاں تک بیان کیا کہ جنت والے اپنی جگہ اور دوزخ والے اپنی جگہ پہونچ گئے، جس نے یاد رکھا، یاد رکھا، جو بھول گیا، بھول گیا۔

"عن عمر بن أخطب الأنصاری قال: صلی بنا رسول اللہ ﷺ یوماً الفجر، وصعد المنبر فخطبنا، حتیٰ حضرت الظھر، ونزل فصلی، ثم صعد المنبر فخطبنا، حتیٰ حضرت العصر، ثم نزل فصلی، ثم صعد المنبر فخطبنا،

حتیٰ غربت الشمس ،فأخبرنا بما کان وبما هو کائن إلی یوم القیامة ، فأعلمنا أحفظنا." (صحیح لمسلم: کتاب الفتن۔۲/۳۹۰)

ایک دن حضور نے ہم کو نماز صبح پڑھائی پھر منبر پر جا کر ظہر تک بیان کرتے رہے، پھر اتر کر نماز ظہر پڑھائی اور منبر پر جا کر عصر تک بیان کرتے رہے۔ اتر کر عصر پڑھی، پھر منبر پر جا کر غروب آفتاب تک بیان کیا۔اور پورے دن میں قیامت تک ہونے والی سب باتیں بیان کردیں ،اور آج ان باتوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا وہی سب سے بڑا عالم ہے۔

رہ گیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے علم کے برابر ہونے کا سوال ، یہ ایک عام سرمایۂ جہالت ہے جو حضور کے علم پر بھی وارد کیا جاتا ہے، کہ اگر حضور ما کان و ما یکون کے عالم ہوں تو لازم آئے گا کہ آپ کا علم خدا کے علم کے برابر ہو جائے۔اب ان گم کردگان راہ کو کون بتائے کہ ما کان وما یکون کے علاوہ اور کتنے علوم ہیں جن کو حضور جانتے ہیں اور آپ نے ان کو صحابہ کرام کو نہیں بتایا۔ یوں ہی حضور کے سارے علوم کے بعد بھی ذات الٰہی کے لیے اتنا علم بچ رہتا ہے جس کے مقابلہ میں حضور کا کل علم ذرے کے کروروں حصے کے برابر نہیں۔

اختصار:

یہاں تک ہم نے جن باتوں کو اہم سمجھا ہے ان کا جواب ذرا تفصیل سے دیا ہے، اور اس کے علاوہ فاضل رحمانی نے جو کچھ کہا ہے، جاہلانہ معارضوں کے علاوہ کچھ نہیں ۔اگر جلد دوم کی ساری بحث کا تجزیہ کیا جائے تو ہم کو دو قسم کے معارضے ملتے ہیں:

(ا) وہ آیات واحادیث جن میں حضور ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔مثلاً

آیات:

﴿وَلاَ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾

[هود:س ۱۱۔ت ۳۱]

اے حبیب کہہ دو کہ نہ تو میں اپنے پاس خزائن الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں نہ عالم غیب ہونے کا قول کرتا ہوں۔

﴿قُل لَا يَعلَمُ مَن فِي السموٰت والأرض الغيبَ إلا الله.لَو كُنتُ أعلَمُ الغَيبَ لأستكثرت من الخَير﴾[النمل:س ۲۷۔ ت ۶۵]

اے حبیب کہہ دو کہ آسمان وزمین میں سوائے خدا کے کوئی غیب نہیں جانتا، اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾[لقمان: س ۳۱۔ت ۳۴]

اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش نازل فرماتا ہے۔

حدیث:

((إنک لا تدري ما أحد ثوھا بعدک))

(مسند امام احمد: ۱/ ۲۳۵)

آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

(۲) وہ واقعات جن سے وہابی منطق میں عدم علم کا ثبوت ہوتا ہے: مثلاً:

اگر حضور حاضر وناظر تھے تو حضرت حمزہ شہید رضی اللہ عنہ کو وحشی کے حملہ سے کیوں نہ بچا لیا، یا خود حضرت عائشہ کی برأت کیوں نہ ظاہر فرمائی۔ وحی الٰہی کا انتظار کیوں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

''خیر الانبیا'' میں فاضل مؤلف نے ان توہمات فاسدہ کے اجمالی اور تفصیلی دونوں جواب اتنے شافی دیے ہیں کہ مزید تشریح اور وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں، اور فاضل رحمانی اگر آدمی ہوتے تو شرم وحیا سے کام لیتے۔ اور جیسے پانچ سال صبر کیا اور صبر کرتے، بات آئی گئی، ہوگئی تھی، لیکن ان کو کچھ اور ید اللہی طمانچے کھانے تھے اس لیے بول اٹھے۔ اور

بے حیا باش وہر چہ خواہی کن، پر عمل درآمد شروع کر دیا

ہم نے حتی الامکان بحث کو سمیٹنے کے لیے ساری ہفوات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور غیر ضروری متعلقات سے قصداً اغماض کر کے صرف مجموعی جواب پر اکتفا کی ہے، کیوں کہ ہمارا جاہل مخالف غیر ضروری تفصیل میں پڑ کر اصل مقصد پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

آیات کے مقابلہ میں آیات:

مذکورہ بالا آیتوں کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل آیتیں قابل ملاحظہ ہیں:

﴿وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْکَ عَظِيْمًا﴾

[النساء: س ۴۔ت ۱۱۳]

آپ کو خدا نے وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر خدا کا بڑا افضل

ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

[النحل: س ١٦ ـ ت ٨٩]﴾

ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر شیء کا واضح بیان ہے۔

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَ يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَداً. (إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُول﴾

[الجن: س ٧٢ ـ ت ١١٣]

خدا عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

﴿ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾

[البقرة :س ٢ ـ ت ٢٥٥]

اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ﴾

[آل عمران: س ٣ ـ ت ١٧٩]

خدا تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا، لیکن جس رسول کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جس طرح علم غیب کی نفی ہے، ان آیتوں میں اس کا ثبوت ہے، اصول تطبیق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ پہلی آیتوں میں جس غیب کی نفی ہو وہ اس کے علاوہ ہو، جو دوسری آیتوں میں حضور کے لیے ثابت ہو۔ اس امر میں (ا) ''اہل سنت'' اور ''وہابیہ'' دونوں متفق ہیں، جہاں ثبوت ہے وہاں بعض مراد ہیں اور جہاں نفی ہے وہاں کل، کیوں کہ کسی ''سنی عالم'' کے قول یا تحریر سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی سنی عالم علم خدا اور علم نبی کو برابر کہتا ہو۔

....

ا

وہابیہ کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف اور متعارض رہے ہیں، کبھی مطلقاً علم غیب کی نفی کرتے ہیں اور کبھی بعض علم غیب ثابت کرتے ہیں۔ منہ ۱۲۔

جہاں جہاں بھی ''اہل سنت'' نے حضور کے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا ہے وہ جمیع ما کان